جب حکومت قتل کرتی ہے

حبیب الرحمٰن

سٹینڈرڈ پبلشنگ ہاؤس: باغ پونچھ (آزاد) جموں کشمیر

speakup64@gmail.com 0300-5226158

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	جب حکومت قتل کرتی ہے
مصنف	حبیب الرحمٰن
اہتمام	آفتاب احمد
پبلشرز	سٹینڈرڈ پبلشنگ ہاؤس، باغ پونچھ (آزاد) کشمیر
اشاعت	2016ء
قیمت	120روپے

سٹینڈرڈ پبلشنگ ہاؤس: باغ پونچھ (آزاد) جموں کشمیر

speakup64@gmail.com 0300-5226158

انتساب

دنیا بھر کے محنت کشوں

اور

مظلوم قوموں

کے نام

ہم نے ساتھ طے کی ہے راہِ آتش و آہن
تم مری رفاقت کو کس طرح بھلا دو گے

فہرست

.......تاریخ کے طماچے	7
.......بلوچستان ابھرتا ہوا طوفان	15
.......جب حکومت قتل کرتی ہے	23
.......کشمیر اور دھوکہ دہی کی سیاست	27
.......دنیا کی نئی کروٹ اور جموں کشمیر	33
.......پاکستان ایک تاریک قید خانہ	41
.......حامد میر! تو کہ ناواقفِ آدابِ شہنشاہی ہے	43
.......برصغیر کا بٹوارہ اور کشمیر کے زخم	48
.......انٹرویو1	52
.......انٹرویو2	64
.......خط بنام امان اللہ خان	73

حبیب الرحمٰن کے قلم سے طاقت اور ظلم کے خداوندوں سے الجھنے اور وقت کے جبر کے آگے ٹھہر جانے والی ایک اور تحریر کا پہلا حصہ حاضر ہے باقی آنے والا وقت خود ہی فیصلے کر لے گا کہ کوئی معتبر کیوں ٹھہرا اور کسی کے حصے میں معتوب ہونا کیونکر لکھا گیا۔ دوسرے حصے کے آنے سے پہلے تک پہلا حصہ آپ کے یعنی دنیا بھر کے محنت کشوں اور اور مظلوموں قوموں کے نام کرتے ہیں ۔ کیوں کہ ان کا تعلق آپ سے ہے ۔ انقلابی آدرش کے ساتھ وہ قلم بدست ہیں اور سرمایہ داری، سامراجیت اور مذہبی انتہا پسندی کے خلاف مصروف جہد ہیں۔

ان کی شخصیت فکر وعمل کا مرکب ہے ۔ وہ اپنی تحریروں میں ایسے سوالات اٹھاتے نظر آتے ہیں جن سے جبینِ جہل سے لے کر اقتدار کی غلام گردشوں میں رہنے والوں تک کی پیشانیوں تک شکن شکن ہیں۔

آفتاب احمد

ہجیرہ پونچھ (آزاد) جموں کشمیر

18 فروری 2016

''آپ حکومت پر قابض ہو سکتے ہیں۔آپ آئین میں تبدیلی کر سکتے ہیں۔آپ تنظیموں کی ان صورتوں کو ختم کر سکتے ہیں جن میں وہ اب تک کام کرتی رہی ہیں لیکن آپ ان معروضی حالات پر حاوی نہیں ہو سکتے جو خود اپنے افعال کا تعین کر رہے ہیں''

(انتونیو گرامچی)

تاریخ کے طمانچے

تاریخ گپ بازی اور ملمع کاری کا نام تو نہیں ہوتا کہ جب چاہا اور جیسا چاہا رنگ وروغن کر لیا جائے اور پھر اس کی وراثت کے سنگھاسن پر تخت لگا لیا جائے۔ تاریخ اپنی حرکیات کے مطابق چلتی ہے۔ جبر اور طاقت کے پراپیگنڈے سے چیزوں کو چھپایا جا سکتا ہے، لوگوں کو گمراہ کیا جا سکتا ہے یا سچائی کو الجھنوں میں گوندھ کر لیپا پوتی کے ذریعے کچھ وقت کے لیے دھوکے کی نظر کر کے خوشیاں منائی جا سکتی ہیں لیکن واقعات کی بنیادوں اور حقائق کو نہ تو تباہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی سچائی کو مارا جا سکتا ہے۔

وقت اور حالات سچائیوں کو طشت از بام کر دیتے ہیں یہ آشکار ہو جانے والے سچ اور حقائق ہر جھوٹ، دروغ گوئی، منافقت اور دھوکہ دہی کو تاریخ کے پاتال سے باہر انڈیل دیتے ہیں۔ جس طرح آج کے حالات میں پاکستان کی تولید اور پیدائش نہ صرف جلدی میں ہوئی تھی بلکہ اس کو قبل از وقت پیدا کرنے کے لیئے مصنوعی دردزہ کے ذریعے زچگی کے عمل کو آپریشن سے مکمل کیا گیا تھا اور وقت کے طبیبوں نے اس کو پاکستان کا جنم قرار دیا اور اس نوخیز ریاست کو لاکھوں لوگوں کی خون ریزی کا حاصل قرار دیکر خدا کی مملکت بنا دیا گیا پھر خدا کی اس مملکت میں مخلوق خدا جس طرح تاراج کی گی پڑوس میں بسنے والوں کو تلواروں سے یوں تہہ تیغ کیا کہ ان زخموں سے آج بھی خون رس رہا ہے۔ درد کی آہ و بقا ہر لمحہ زندگی کو قتل کر رہی ہے اور یہ ریاست اس سب کو عربوں کی روایات کی بھینٹ چڑھا رہی ہے کبھی بہ حیلہ مذہب اور کبھی بنام خدا قتل عام جاری ہے۔ اس ریاست کے

کارندے بندوقوں کو کندھوں پر سجائے سچائی اور حوصلوں کا قتل جاری رکھے ہوئے ہیں۔

بلوچستان

اس نوخیز ریاست نے ہر اس شخص گروہ قوم یا راجداہانی کو خون میں ڈبویا ہے جو کمزور تھا اصول پسند تھا انسانی وقار اور عالمگیر انسانی حمیت پر یقین رکھتا تھا صلح پسند تھا لیکن شاید چالاکیوں اور بے رحمیوں کے سامنے کمزور تھا۔ کمزوروں پر چڑھ دوڑنے کے اس فارمولے کے تحت قلات بلوچستان کو خون میں نہلایا گیا تھا۔ خدا کے قانون کو نافذ کرنے کے لیئے اس ریاست کے جھنڈے کو گرانے کے لیئے مسجد کو بارود کے گولوں سے اڑا دیا گیا تھا اس ریاست کے حاکموں اور اس کی رعایا کے ساتھ بدترین توہین آمیز سلوک کیا گیا اور مقدس آیات کی تلات کے ساتھ فتح مندی کے اعلان کو اللہ کی طرف سے دی گئی نصرت سے تعبیر کیا گیا جبکہ والی ریاست اور اس کی رعایا نہ صرف مسلمان تھی بلکہ ایک اچھے صحت مند پڑوسی کے طور پر اس ریاست کی دوست بھی رہنا چاہتی تھی۔

یہ اس ریاست کی سفاکیت کا ایک ایسا آغاز تھا کہ پھر اس کے خون آلود جبڑوں سے کوئی محفوظ نہیں رہا جس نے بھی کہیں اپنی شناخت مانگ لی آبرومندانہ سلوک رکھنے کی خواہش کی تو وہ نواب نوروز خان کی طرح نشان عبرت بنا دیا گیا۔ اس بوڑھے نواب کو پھانسی گھاٹ میں بٹھا کر اس کے جوان بیٹوں کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور یہ اذیت ناک لمحے اس بوڑھے بلوچ نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھے اپنے بیٹوں کی سولی پہ لٹکتے جان نکلتے دیکھی لیکن یہ بوڑھا بلوچ ٹوٹا بھی نہیں گرا بھی نہیں بلکہ یہ صدمہ سہہ کر بلوچوں کا سر بلند کر گیا۔

تاج وتخت کی اس شاہی نے 1970 کی دہائی میں بارود بھرے جہازوں سے ان پر ایسی آگ برسائی کہ بلوچوں کی لاشوں اور خون سے پورا بلوچستان اٹ گیا۔ یوں کوئی تیسری بار اس مملک خداداد کو معصوم اور نہتے بلوچوں کا قتل عام کر کے بچا لیا گیا اس پورے عمل میں نصرت خدا وندی اور مدد ایزدی اس ریاست کے قابضوں کو ہمیشہ کے طرح حاصل رہی پھر بندوق بردار حکمرانوں نے تو یہ کہہ کر ایک نئی نسل کشی اور قتل عام شروع کر دیا کہ ہم وہاں سے حملہ کریں گے

جہاں سے تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا اور یوں اس ریاست کے سب سے زیادہ وفادار سرور بگٹی کو زندہ پہاڑوں میں دفن کر دیا اس کے قبیلے کے ہزاروں لوگوں کو جلاوطن کر دیا پھر کیا تھا چار سو اندھیرا ہی اندھیرا، چن چن کر لوگ اٹھا لیئے گئے علم و شعور پھیلانے والے استادوں سے لیکر طالبعلموں تک کوئی بھی نہ بچا جس کی سڑی اور جلی ہوئی لاش کسی چوک چوا ہے میدان یا پہاڑ سے نہ مل رہی ہو۔ اپنوں کی تلاش بوڑھے جوان اور بلوچ عورتیں سرتا پا خاک نشیں بین و ماتم کرتے اس ریاست کے ہر دروازے پر پہنچے دادفریاد کی اپنے جرم بے گناہی کی سزا پوچھی لیکن مجال اس ریاست نے کبھی مڑ کر بھی دیکھا ہو کہ یہ فریادی کون ہیں۔ ہزاروں میل پیدل سفر کرنے والے قافلے کا نو سال کا بچہ اور یونیورسٹی کی نوجوان طالبہ بھی ایجنٹ اور اسلام دشمن قرار پائی۔ تعلیمی اداروں میں پڑھنے والوں مشقت کرنے والے مزدوروں سوچنے اور لکھنے والوں سب کو اٹھا لیا گیا اور کوئی ایک بھی واپس نہ آیا پھر وقت نے پلٹا کھایا پاک سرزمین کا گیت اب صرف فوجی بیرکوں میں گایا جا سکتا ہے پورا بلوچستان میں چک بلو چانی" کی عملی تفصیر اور تصویر بن گیا نوکری کر کے گذر بسر کرنے والا اللہ نظر بلوچ ہو۔ خیر بخش مری جیسے سردار کا بیٹا حیر بیار ہو یا بگٹی سبھی گریوں سے نکل آئے پہاڑوں پر بسیرا کر لیا اس درندہ ریاست سے چھٹکارے کے لیئے، عظیم بلوچ وطن کے تحفظ کے لیئے میدان جنگ سجا لیا۔ اور یہ ایک ایسا میدان جنگ ہے جس کے کھیتوں، کھیاٹنوں، اسکولوں، عبادت گاہوں، پہاڑوں، میدانوں اور صحراؤں میں "میں چک بلو چانی" اس شدت سے گایا جا رہا ہے کہ اس نے طاقت کے سارے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے خوف کے مارے یہ ریاست پہلے سے زیادہ سفاک ہو گئی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ سفاکیت دم توڑتی ہے یا حوصلوں کی جیت ہوتی ہے جواں شعور سے مسلح حوصلوں کو بہر حال شکست نہیں ہوتی کیونکہ یہ جنگ آبرومندی کی جنگ ہے منصفی کی جنگ ہے انسانی وقار کی جنگ ہے اندھیروں کے چوکیدار جبر و قہر کے محافظ آزادی و انصاف سے نہیں لڑ سکتے ہیں۔ یہی تاریخ نے سکھایا ہے کہ بلوچ آبرومند فاتح ہونگے اس فتح تک مظلوموں کے لہو کی ابھی اور ندیاں بھی بہیں گی شاید تاریخ ابھی پوری طرح اس طرف نہیں مڑی۔

کشمیر

اپنے کندھے پر صدیوں پرانے کسی عرب بوڑھے کے سر کو سجائے چناروں اور زعفرانوں میں اب صرف قبرستان کا گذر ہوتا ہے جہاں قاتل طرح طرح کے بھیس بدل کے آتا ہے کبھی وہ خاکی وردیوں میں آتماؤں کی طرح شانتی کے لیئے ہنساء کے بھجن گاتے ہوئے بارود کے دھواں سے فضا معطر کر کے بے بسوں کے خون سے اشنان کرتا ہے اور کبھی وہ لا الا اللہ کے ورد کے ساتھ آدھمکتا ہے ان دونوں کی وردیوں کے رنگ تو شاید تھوڑے مختلف ہیں لیکن ان کے ہاتھوں کی بندوقوں کا کردار ایک سا ہے ان گولیوں کا نشانہ ایک ہے جو گولیاں چلانے سے پہلے اس کی وجوہات گھڑتے رہتے ہیں اور یوں یہ دونوں اپنے اپنے "مادروطن" کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کے "مادروطنوں" کی حفاظت نہتے مفلوک حال کشمیر کے لوگوں کے خون کے علاوہ کسی اور چیز سے نہیں ہوسکتی۔ رہ جانے والی کمی مملکت خداداد سے مصلح کر کے بھیجا ہوا باریش جو صرف جہاد کی زبان بولتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے پوری کر لیتا ہے۔

ایٹم بموں سے لیس اور مزین طرفین کی چرب زبان بیابانی غول ان کو ایسا اعتماد و اطمینان دیتے ہیں جس سے کشمیر کی سانسیں رک جاتی ہیں دم گھٹ کے مر جانے سے پہلے کے کچھ لمحوں پر سسکیاں لیتا کشمیر ان دیکھے ہاتھوں کے جاری تشدد سے دلگیر تھکاوٹ کے ہاتھوں غیر متحرک ہوتا نظر آتا ہے۔ موسم کی خوبصورتیاں کسی بھی آنکھ کی توجہ حاصل کیئے بغیر گذر جاتی ہیں۔ مستقبل کے خوفناک خدشات اسے خوفزدہ کر کے حال کی گھڑی میں زندہ رہنے کو اپنی قسمت کی لکھی مجبوری سمجھتے ہیں۔ چار جانب باندھی زنجیر کے اندر کتنی لکیریں کھینچ لی گئی ہیں جہاں لوگ سر عام خاموش رہتے ہیں اور سچ چھپ چھپ کے بولتے ہیں کہ کہیں کابل، سرینگر، پشاور، مظفر آباد، تہران، گلگت، گجرات (انڈیا) اور جموں میں نہ آجائے جہاں مذاہب کے نام پر سب کچھ بند کر دیا جائے اشلوکوں اور وظیفوں کے علاوہ ہر چیز ممنوع ہو جائے شاعری، موسیقی، تعلیم سب کچھ قید کر لیا جائے

اور زندگی ہندو توا یا ملایت کی آمریت کی تلوار کے نیچے بسر ہو جہاں ایمان لانے یا جذیہ دینے کے فیصلے کی مہلت بھی نہ ملے یا پھر بھگوان کرشن کی پرتھنا کرنا ضروری ٹھرے یہ سب شاید دور کی کوڑی لگتا ہے لیکن برے وقتوں کے آنے میں بعض اوقات دیری ہی تھوڑی لگتی ہے۔

افغانستان کے طالبان زدہ ہونے سے پہلے کسے یہ قیاس تھا کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ گجرات (بھارت) کے قتل عام سے پہلے تو صرف تحمل، برداشت، جمہوری اور غیر فرقہ وارانہ بھارت کے گیت بھی تو گائے جاتے رہے ہیں۔ بعث پارٹی تو عراق میں قلعہ بند ہوکر ایرانی ملایت کے خلاف لڑی تھی۔ مرد آہن تو پورے عرب پہ بھاری تھا۔ بشارالاسد بھی ایک جدید ماضی پرستی کا امین تھا لیکن وقت کے بدلتے ہاتھوں امریکی منصوبہ بندیوں نے سنی/ وہابی امریکہ کو لمحہ بھر میں بدل کے شیعہ امریکہ کر دیا پہلے شیعہ کافر تھے اور آج سنی کافر ہیں۔ عرب کی ایک نئی بندر بانٹ میں "دولت اسلامیہ" کی نئی خلافت کا احیاء، تباہی و بربادی کا یہ آغاز معصوم بچیوں کی عصمتیں لوٹنے اور بازار میں منڈی لگا کر بیچنے سے ہوا ہے ان معصوم بچیوں اور عورتوں کا قصور صرف اتنا سا ہے کہ وہ اتفاق سے مسلمان نہیں اگر وہ مسلمان ہوتی بھی تو یا وہ شیعہ کافر ہوتی یا سنی کافر۔ بہرصورت ان کی قسمت میں عزت کا لٹ جانا، بک جانا یا مال غنیمت میں داشتہ ہی بن جانا لکھا تھا۔

بہت الجھے ہوئے حالات اور نا قابل پیشن گوئی کے واقعات کا ملاپ روشنی اور سچائی کے دشمنوں کو فتح مند ٹھرا دیتا ہے اور یہ فتح مندی افغانستان تقریبا عرب کی تمام ریاستوں سمیت پاکستان میں بھی دیکھی جاسکتی ہے سمجھی جاسکتی ہے یا اس کے ہاتھوں تاراج ہوا جاسکتا ہے۔

روشنی کے یہ دشمن نیلی پیلی وردیوں میں روشنی کو قتل کرنے سے پہلے ان آیات کی تلاوت ضرور کرتے ہیں جن میں قتل کا حکم دیا جاتا ہے۔ روشنی کے ان دشمنوں کی آبیاری اور طاقت کی زرخیزی میں اضافے کے لیئے کس نے کسر چھوڑی ہے اور کون ہے جس نے اس میں ہاتھ نہیں رنگے ہیں۔ یہ ساری باتیں میرے ذہن میں آتی رہی ہیں اور میں سوچ رہا ہوں کہ کوئی متبادل بھی موجود ہے اور اگر متبادل موجود ہے تو کیا بین الاقوامی "بادشاہت" نے اپنے عرب اور جنوبی

ایشیائی نمائندوں زیادہ مناسب لفظوں میں اپنے صوبہ داروں کے متعلق بھی کچھ سوچ رکھا ہے کہ بس علاقائیت کے شکار یہ خطے مال غنیمت میں داشتاؤں کے حصول کے لیئے جہاد جاری رکھیں گے۔انسانیت برباد ہواور بادشاہت کے منافعوں میں کمی نہ آئے۔

جنوبی ایشیاء کے اس خطے میں دنیا کے پرانے ترین مسئلوں میں ایک سوال کشمیر کا بھی ہے جس کی نمائندگی ہمیشہ سے باریش چوغہ بند شیروانیوں میں ملبوس "سورما" ہی کرتے ہیں جو عموما ہندوستانی اور پاکستانی وزارت خارجہ کی تیار کی ہوئی پگڈنڈی سے گذرتی ہے جو بندوقوں کی ہدایت پر یونین کا تحفظ کرتی ہے یا پھر جہاد کی زبان بولتی ہے اور کبھی کبھی صاف کریموں سے چمکتے چہرے جن میں گندمی اور گورے رنگ کے سبھی نمائندے بھی شامل ہوتے ہیں انسانی حقوق کے پامال ہونے کے جھوٹ بولتے رہتے ہیں دھوبی خارش کا شکار یہ لشکری لفظوں کی بازیگری کا ایک ایسا ہجوم برپا کرتے ہیں کہ کشمیر کے اصل سوال کو کشمیر کے حسن ورہنمائی کی تعریف میں ڈبو دیتے ہیں۔جس کسی نے بھی کشمیر دیکھا یقیناً اس کے فطری حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں جا سکتا لیکن میں سوچتا ہوں کہ بھاڑ میں جائے یہ حسن جس کے چار سو لاشیں قتل وغارت گری ہے بربادی ہی بربادی ہے، تقسیم ہی تقسیم ہے جہاں قابضین نے ایک ادھم مچا رکھی ہے اس کو تو کوئی روکے۔کیا یہ باریش اور صاف چہروں کے تر دماغ اتحادی اس ہنگامہ خیز ریاست کے قبل از اسلام اور بعد از اسلام کے ماضی کے متعلق بھی کچھ جانتے ہیں کہ ہزاروں سال پر محیط یہ ریاست مذہب کی بنیاد پر کبھی تعمیر ہیں نہیں ہوئی۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں بیچے جانے کے باوجود بھی ایک مقامی راجے نے اس کو خرید کر اس کی وحدت کی قائم رکھا تھا۔مزاحمت اور زندگی کے سفر میں کتنی جرات سے یہ ریاست جبر سہتی رہی ہے یہی نہیں بلکہ قدیم اور جدید اتحادیوں کے یہ غول کیا یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ معاملہ یہاں تک کیوں پہنچا، نفرت کشت و خون تقسیم اور تباہی کیسے اگ آئی حالانکہ ان آبشاروں، کوہساروں، زاعفران زاروں اور چناروں میں صرف گیت ہیں، محبت کے ساز ہیں، انسانیت کے راگ ہیں۔کشمیر پر حملہ آور تو بہت رہے ہیں لیکن مسلمانوں نے اس پر آٹھویں صدی

میں چڑھائی کی۔ ہمالیہ کے سخت جان ہاتھوں سے ان کو ذلت اٹھانا پڑی تھی۔ پہاڑوں کو عبور کرنا ان کے لیے ناممکن ثابت ہوا تھا۔ مسلمانوں کو پانچ صدیوں بعد اچانک فتح نصیب ہوئی تھی جب مقامی شورش نے نفرت کی آخری حد کو پار کرلیا تھا جب لداخ کے ایک سردار رنچنا جو کشمیر میں پناہ حاصل کرنے آیا تھا نے بغاوت کردی اور متوجہ کرنے والے پر کشش نام والے بلبل شاہ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ اس بات کی اہمیت تاریخ میں بحرحال کوئی نہیں کہ رنچنا نے اسلام قبول کیا یا وہ کوئی بھی اور مذہب قبول کر لیتا فرق کوئی نہیں پڑنا تھا لیکن رنچنا کا اسلام قبول کرنے کا واحد مقصد ان ترک شاہی لشکریوں کو اپنی طرف راغب کرنا تھا جو اپنے ہم مذہب کے لیئے ہمہ وقت وفاداری کے لیئے تیار تھے اور ان کی یہ وفاداری صرف ایک نئے حکمران تک ہی محدود تھی جو رنچنا تھا۔ رنچنا کی موت کے فوری بعد لشکریوں کے سپہ سلار شاہ میر نے اقتدار پر اپنا قبضہ جما لیا یہ وہ پہلی مسلم بادشاہی تھی جو قریبا سات سو سال تک قائم رہی، محرومی اور ترک مذہب کی ترغیبات کے باوجود کشمیر کے عوام نہیں ڈگمگائے اور نہ گھبرائے۔ بزور طاقت مذہب کی تبدیلی کی حکمت عملی کے باوجود عوام بڑے پیمانے پر مشرف بہ اسلام ہو کر جنت میں جانے کے خواہش نہ ہوئے۔ کہیں پندرہویں صدی میں زین العابدین کے عہد حکومت کے آخری سالوں میں کشمیریوں کی اکثریتی آبادی نے اسلام قبول کیا۔ تاریخی طور پر زین العابدین زیادہ سمجھدار حکمران تھا اس نے زبردستی ہندوؤں کو مسلمان بنانے پر پابندی لگا رکھی تھی اور جن لوگوں نے خوف اور زبردستی اسلام قبول کرلیا تھا ان کو واپس اپنے مذہب کی طرف لوٹ جانے کی اجازی دے دی تھی۔ اس نے ہندوؤں کو مالی امداد بھی دی کہ وہ ان مندروں کو دوبارہ تعمیر کرسکیں جو اس کے باپ نے گرا دیئے تھے یا جلا دیئے تھے۔ گو کہ مختلف مذہبی علاقائی اور لسانی گروہوں کے درمیاں ازدواجی رشتے (یعنی شادی وغیرہ) تو قائم نہیں ہوئے لیکن لوگوں نے ایک سرزمین پر ایک دوسرے سے پیار و احترام کے ساتھ رہنا سیکھ لیا تھا اور بہت سی وجوہات کے علاوہ ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ زین العابدین نے ایران اور وسط ایشیاء میں وفود بھیجے تا کہ وہ قالین بافی، شال سازی اور لکڑی کا ہنر سیکھیں اور یہی وجہ ہے کشمیر

قالین اور شال سازی میں دنیا بھر میں آج تک مشہور بھی ہے اور مستند بھی۔

شاہ میری بادشاہت ختم ہوتے ہوتے آبادی کی بڑی اکثریت نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کر لیا تھا جو تقریبا 85% ہے جو آج تک تقریبا برقرار ہے۔ زین العابدین کی حکمرانی کے خاتمے کے نتیجے میں یہ شاہی خاندان زوال پذیری کا شکار ہو گیا۔ اقتدار اور وراثت کے جھگڑوں اور اشرافیہ کی باہم سازشوں نے کشمیر کو بے سکون و بے چین کر دیا اور یہ بے چینی بڑے پیمانے کی یورشوں کا سبب بن گئی آخر سولہویں صدی میں وسط ایشیائی مسلمان حملہ آوروں نے کشمیر پر قبضہ کر لیا جس کی وجہ سے کشمیر کے عوام نے یورشوں سے چھٹکارے کا سانس لیا۔ انتظام و انصرام پر پہلے سے متعین جاگیرداروں کی جگہ اب وسط ایشیائی حملہ آوروں کے اہل کاروں نے لے لی ان اہل کاروں نے اپنے تجربات کی بنیاد پر زراعت، کاروبار اور شال سازی کو زیادہ بہتر انداز میں چلایا لیکن دوسری طرف سرکاری سرپرستی سے محروم ہو جانے والے تصویر نگار شاعر اور لکھنے والے رزق کی تلاش میں دلی اور لاہور کے درباروں کی نظر ہو گئے یوں ایک تخلیقی اور تہذیبی وراثت بھی ہجرت کر گئی جبکہ وسط ایشیائی شہنشاہ اس ریاست کی طرف یوں چلے آئے کہ اکبر کے بیٹے جہانگیر کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ وہ موت کے خوف سے آزاد ہو گیا کہ کشمیر جنت سے ماورا کوئی چیز نہیں۔ کشمیری انگور سے کشمیر کی بنی ہوئی شراب اس کا پسندیدہ مشروب تھا۔

بلوچستان ابھرتا ہوا طوفان

یہ کوئی اگست 2006 کی بات ہے کہ میں زلزلے میں دبے ہوئے کشمیر کے دریدہ دامن کو سینے کے عمل میں شریک ایک بہت بلند پہاڑی پر تھا ابھی صبح نے آنکھ نہیں کھولی تھی کہ موبائل پر کال وصول کی کہ بلوچستان کے ایک اکھڑ ضدی سردار اکبر بگٹی کو پاکستانی افوج نے ایک آپریشن کے ذریعے زندگی سے محروم کر دیا یہ خبر سنتے ہی نیند سے بھری آنکھیں واہ ہو گئیں۔ میرے ذہن میں سارا بلوچستان گھوم گیا حب سے لے کر تافتان تک، نال، خضدار، پشین، چمن، لورالائی، گوادر اور سارے بلوچستان کے ساربان مفلوک الحال پانی سمیت زندگی کی تمام سہولتوں سے محروم بلوچ عوام کو وقت نے ایک انتہائی اہم موڑ پر کھڑا کر دیا کہ اب بلوچوں کے پاس صرف ایک راستہ بچا ہے اور وہ راستہ صرف لڑائی کا راستہ ہے۔ شاید وقت بلوچ قومی آزادی کی تحریک کو ایک فیصلہ کن رخ دے سکے۔ 1947ء میں جب برصغیر تقسیم ہو رہا تھا اور انسانی آبادی کا سب سے بڑا قتل عام ہو رہا تھا دنیا کی سب سے بڑی ہجرت ہوئی تھی۔ پنجابیوں نے فرقہ وارانہ سوچوں کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے کو تہہ تیغ کیا تھا اپنی ہی بیوی بیٹوں اور پنجاب کے فرزندوں کو سکھ اور مسلمان قرار دے کر قتل کر دیا تھا پورے کے پورے شہر جلا ڈالے تھے اس وقت بھی پورے بلوچستان میں طاقت اور تشدد کا ایک واقعہ بھی رونما نہیں ہوا تھا کسی کی روح زخمی نہیں ہوئی اور کسی انسان نے زندگی نہیں ہاری تھی پھر جب پاکستان بن گیا تو اسی بلوچ سردار اکبر بگٹی نے اس پاکستان کو تسلیم کر کے اس میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور اسی بلوچ سردار کو انہی طاقتوں نے قتل کر دیا جن طاقتوں کی وہ ساری زندگی مدد کرتا رہا۔ پورا پاکستان شعیہ، سنی، احمدی یا اسی طرح کے دوسرے فرقہ وارانہ قتل عام کی آجگاہ بنا ہوا ہے لیکن بلوچستان پھر بھی برداشت عمل اور ایک دوسرے کے احترام کا اعلیٰ ترین کردار کا حامل

رہا اور ایک ایسی روشن فکر روایت کا امین بلوچ کیسے تشدد پسند اور دہشت ناک ہوسکتا اور پھر دنیا اس کو تسلیم بھی کیسے کرے بگٹی اپنی ساری زندگی پاکستانی سیاست میں شریک رہا پاکستانی ریاست کے تمام اتار چڑھاؤ میں بہت سے اختلافات رکھنے کے باوجود پاکستانی ریاست کے مفادات کا نگہبان رہا۔

وہ وفاقی وزیر سمیت بلوچستان کا گورنر اور وزیر اعلی رہا وفاق کے نمائندے کی حیثیت کے طور پر اسلام آباد کی خدمت کرتا رہا لیکن تاریخ میں اس طرح بدبختیاں اور بدقسمتیاں ہمیشہ رہی ہیں کہ حکمران اپنے ہی طبقے کے لوگوں سے اس طرح کا سلوک کرتے رہے ہیں ان سے زندگیاں چھین کر خود کو طاقت ور ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں لیکن خود کو طاقت ور ثابت بھی نہیں کر سکے ہیں۔بگٹی کا قتل ایک سردار کا قتل ہی نہیں ہے بلکہ یہ ریاست پاکستان کی وحشت درندگی اور مظلوم قوموں اور قومیتوں کے ساتھ ان کے رویے کی علامات ہیں۔اور ریاست پاکستان کے بانجھ اور کھوکھلی ہونے کی مکمل دلیل ہے بگٹی کے قتل کے بعد بلوچوں کے ساتھ اسلام آباد کے حکمرانوں کا رویہ بڑا غور طلب اور تیزی سے سمجھ آنے والا ہے کہ پاکستان کا حکمران طبقہ بلوچوں کو ان کے قومی حقوق دینے کے بجائے ان پر قومی جبر جاری رکھنا چاہتا ہے وہ طاقت اور وحشت کا خوف پھیلا کر بلوچستان کے قومی سوال کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے پاکستانی فوج اور ریاست کے ساتھ بلوچستان کے قومی مسئلہ پر بار ہا لڑائیاں ہوتی رہی با قائدہ منظّم مزاحمت ہمیشہ سے موجود رہی ہے اور بلوچستان کی قومی تحریک بے شمار ناکامیوں اور ہزیمتوں کے باوجود کسی نہ کسی شکل میں جاری رہی ہے اور آج یہ تحریک ایک انتہائی اہم اور نازک لمحہ پر کھڑی ہے۔

جنرل ایوب نے بگٹی کو گرفتار کر کے قتل کی دھمکیاں دی تھیں بگٹی نے شاید اس کو خاطر میں نہیں لایا تھا اس فوجی جنرل کی دھمکیوں کو عملی جامہ جنرل مشرف نے بگٹی کو قتل کر کے پہنایا۔یہی نہیں بلکہ اسلام آباد کے 59 سال کی پوری تاریخ بدعہدیوں جھوٹ اور فریب سے عبارت ہے ایوب شاہی نے قرآن کے واسطے کے ساتھ عہد کر کے نوروز خان کو پہاڑوں سے نیچے اتارا تھا اور پھر

نواب نوروز خان کو اپنے بیٹوں اور پوتوں سمیت پھانسی کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ایوب خان تو تاریخ کے ہاتھوں عبرت کا نشان بن گیا کہ آج اس کے نام لیوا ایبٹ آباد کے ٹرکوں کے پیچھے تصویر کے سوا کچھ نہیں اور نوروز خان بلوچوں کی تحریک حریت کی علامت کے طور پر ہر بلوچ بچہ جوا ور کچھ نہ بھی جانتا ہو وہ نوروز خان کی بہادری جرات اور حوصلہ مندی کو اپنا افتخار اور فخر سمجھتا ہے۔ بلوچوں کا یہ فخر نسل در نسل منتقل ہو رہا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ بگٹی بلوچوں کی اس تحریک کا سرخیل بنے گا یا نہیں لیکن تاریخ اس کے مرتبے کا ضرور تعین کرے گی۔ پھر بھٹو دور میں پاکستانی فوج کا سب سے بڑا حملہ بلوچوں پر ہوا تھا ان گنت بلوچ زندگی سے محروم ہوئے ایک سردار عطا اللہ مینگل کا بیٹا بھی مارا گیا تھا۔ بلوچوں پر غداری کے مقدمات بنے حیدر آباد جیل کی چار دیواری میں ان مقدمات کی سماعت ہوتی رہی اور وہ فوجی آفیسر ضیاء الحق جس نے بلوچوں پر حملے پر قیادت کی تھی نے جنرل بننے کے بعد اپنے ہی محسن بھٹو کو پھانسی دے کر کون سے مسئلہ حل کر دیا تھا جو یہ حکمران بلوچوں پر ایک بار پھر فوج کشی کر کے حل کرنا چاہتے ہیں۔ بلوچ بڑے روادار محبت کرنے والے لوگ ہیں نفرت حقارت اور تعصب ان کی سرشت میں نہیں ہے۔ محبت اور دوستی کے رشتوں پر بلوچوں کو مفت خریدا جا سکتا ہے۔ لازوال محبتوں کے رشتوں پر بلوچ محبت کرنے والوں پر خود کو قربان کر جاتا ہے۔ یہی کچھ تاریخ کے پاتال میں ہمیں ان کے متعلق ملتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک انگریز سنڈیمن کی موت کی خبر سن کر سارے بلوچ ماتم زدہ تھے۔ تین دن تک گھروں میں چولہے نہ جلے تھے اس سفید فارم انگریز نے ان سے آبرومندانہ محبت بھرا سلوک کیا تھا۔ شاید اس کا احترام آج تک موجود ہے۔ بلوچستان کے موجودہ ابھرتے ہوئے طوفان کو اس کے تاریخی پس منظر میں دیکھنے کی اشد ضرورت ہے کہ بلوچستان میں وقفے وقفے سے ابھرنیوالی تحریک کے سیاسی، سماجی اور معاشی عوامل کو دیکھے بغیر اس کے خدوخال کو سمجھنے میں ماضی میں بھی مشکل رہی ہے اور شاید آنیوالے وقت میں بھی مشکل ہوگا۔ بنگالیوں کے قتل عام اور غارت گیری سے پاکستانی فوج کی سنگینیوں سے ابھی خون خشک نہیں ہوا تھا کہ یہ فوج بلوچوں پر چڑھ دوڑی تھی جس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر

1972 میں ایک جاندار قومی جدوجہد شروع ہوئی تھی جو کسی نہ کسی شکل میں بگٹی کے قتل 2006ء تک جاری رہی۔ بگٹی کے قتل کے بعد اس نے ایک نئی شکل اختیار کر لی۔ بلوچستان میں قومی نا برابری جبر اور محرومی کی ایک اذیت ناک تاریخ ہے یہ اذیت ناک تاریخ ایک طرف بلوچوں کا معاشی سماجی سیاسی استحصال اور قومی جبر ہے دوسری طرف پاکستانی حکمرانوں کا طاقت، وحشت اور بربریت کی تاریخ ہے۔

30 مارچ 1948ء کو ریاست قلات کو جب پاکستان میں جبر کے ذریعے ضم کیا گیا تھا اس وقت بھی بلوچوں نے اس کے خلاف مزاحمت کی تھی۔ جو کہ ناکام ہوئی لیکن اس میں شہید ہونیولوں کی یاد آج بھی ان کے لوک گیتوں میں زندہ اور تازہ ہے۔ پھر 1950ء سے لے کر 1970ء تک مختلف موقعوں پر بلوجستان میں بڑی منظّم لیکن چھوٹے پیمانے کی تحریکیں ابھریں جو کہ محدود ہونے کے سبب کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکیں تھیں۔ لیکن ا?زادی کے تحریک کو دوام اور تسلسل دیتی رہی۔ 1970ء سے بعد کے عشرے میں دنیا بھر میں قومیں آزادی حاصل کر رہی تھی اور ملک انقلاب برپا کر رہے تھے۔ دنیا دو واضح حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک طرف سرمایہ داری اور سامراج جب کہ دوسری طرف سوشلسٹ ملکوں کا اتحاد تھا۔ قوموں کی آزادی اور انقلاب کی اس لڑائی میں سویت یونین اور اس کے اتحادی آزادی اور انقلاب کے لیے کی جانے والی جدوجہد کی حمایت بھی کر رہے تھے اور ان کو طاقت بھی فراہم کر رہے تھے۔ ساری دنیا اس کی لپیٹ میں تھی بلوچستان بھی دنیا بھر میں چلنے والی ان تحریکوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اور ان کی قومی تحریک جو بہت سے بحرانوں کا شکار ہو کر نیم جان ہوگئی تھی پھر سے طاقت اور توانائی لینا شروع کی تو وہ انتہائی بڑی پیمانے کی جدوجہد کی شکل اختیار کر گئی جس میں ایک طرف بلوچستان کے مفلوک الحال معاشی طور پر تباہ، غربت، پسماندگی اور جہالت کے مارے محنت کش عوام تھے تو دوسری طرف بلوچستان کے سردار اور جاگیردار جن کے اسلام آباد والوں سے اپنے تضادات اور اختلافات تھے اس تحریک میں شامل ہوئے جسکی وجہ سے اس تحریک کو بہت زیادہ توانائی اور طاقت ملی تھی۔ لیکن

ایک مربوط جاندار سلجھی ہوئی حوصلہ مند قیادت کے بغیر اس تحریک میں مسلح جدوجہد اور گوریلا جنگ کی شکل اختیار کر لی تھی اور یہ آزادی پسند پہاڑوں کے باسی بن گئے تھے۔ اور اس تحریک کا نصب العین کیوبا، ویت نام، اور یمن وغیرہ میں برپا ہونیوالے انقلابات سے متاثر تھا۔ جو کہ بلوچستان کی معاشی، سماجی اور اقتصادی صورتحال میں پختہ نہیں تھا۔ اور اس پوری جدوجہد میں قیادت کا ایک بڑا خلا تھا جس کا محنت کش عوام کے ساتھ ایک منظّم اور جاندار رابطے کی شدید کمزوریوں کا شکار تھا گو کہ اس جدوجہد میں شامل آزادی پسندوں کا ایک حصہ اس کا ایک سوشلسٹ جدوجہد کے ساتھ جوڑ رہا تھا جو صادق بھی تھا اور ایماندار بھی لیکن عملاً صورت حال ذرا مختلف تھی مختصر یہ کہ پہاڑوں سے شروع کی جانیوالی یہ لڑای اتنی شدت اختیار کر گئی کہ پاکستانی ریاست بوکھلاہٹ کا شکار ہوگئی اور گھبراہٹ کے عالم میں بھٹو حکومت کی موجودگی میں ضیاءالحق کی قیادت میں پاکستانی فوج بلوچ عوام پر حملہ آور ہوگئی۔ اور بلوچستان میں قومی آزادی کی جنگ لڑنے والوں اور پاکستانی فوج کے درمیان جنگ شروع ہوگئی جو چار سالوں پر محیط رہی پاکستانی فوج نے ہر ظالمانہ قدم بلوچوں کے خلاف اٹھایا ان کو تہہ تیغ کیا تقریباً نو ہزار سے زائد لوگ شہید کر دیئے گئے جو کہ بے گناہی کی جنگ میں طاقت کے ہاتھوں تاراج ہوئے۔ یہی نہیں اس تحریک کو کچلنے کے لیے ایران کے بادشاہ سے بھی فوجی مدد لی گئی ایرانی ہیلی کاپٹرز کے ذریعے بڑے پیمانے پر بمباری کی گئی ایران اور پاکستان دو ملکوں کے باہم اتحاد اور حملے نے بلوچوں کی اس تحریک کو بھی تاراج کر کے کمزور کر دیا۔ اس کی تباہی کے جہاں اور بے شمار عوامل ہیں اس میں ذیل کے عوامل بنیادی اہمیت کے حامل تھے جو اس کی تباہی کا اہم سبب بنے۔

☆ اس تحریک کی قیادت مکمل تیاری کے ساتھ میدان جنگ میں نہیں اتری تھی اور بلوچستان کے سارے عوام کی اس میں شمولیت نہیں تھی۔ پشتون اور دوسری قومیتیں بھی اس میں شامل نہیں تھی۔

☆ قومی جدوجہد کو عام محنت کش عوام کے ساتھ نہیں جوڑا گیا تھا اور عوام کو سیاسی طور پر منظّم

کئے بغیر اس کا آغاز کر دیا گیا تھا۔

☆ اس تحریک کا مرکز بلوچستان کے پہاڑ تھے جبکہ شہروں میں اس کی مقبولیت کم تھی جس کا پا کستانی فوج نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور گوریلوں کو عوام سے الگ کر کے ان کو تنہا کر کے گولی کا نشانہ بنایا گیا۔

☆ پاکستان میں موجودہ دوسری قوموں سندھی، پشتون اور خاص طور پر پنجابیوں کی طرف سے اس تحریک کی حمایت انتہائی کمزور تھی اور فوج کے مرکز اور گڑھ پنجاب سے حمایت حاصل کرنے کی نہ حکمت عملی طے کی گئی اور نہ ہی حمایت حاصل کرنے کے لیے کوشش کی گئی۔

☆ پاکستانی فوج کے اندر کے تضادات کو ابھار کر اس میں بغاوت اور بددلی پھیلانے کی کوئی حکمت عملی ترتیب نہیں دی گئی۔

☆ بلوچ اور پشتون آبادیوں کے درمیان فاصلوں کو کم کر کے ان کو باہم جوڑنے میں ناکامی بھی ایک سبب تھی آبادی کی یہ تقسیم بھی فوج کے لیے سودمند رہی۔

☆ پاکستانی فوج کو ملنے والی کمک کے زمینی راستوں کو بلاک کر کے کمک روکنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

☆ بین الاقوامی سطح کی حمایت نہ ملنے کے سبب بھی یہ تحریک تباہی کا شکار ہوگئی۔

☆ جس طرف کی گوریلا جنگ کی گئی وہ چین ویتنام اور کیوبا کی طرف تھی اور وہی پالیسیاں اختیار کی گئی جو کہ بلوچستان کے سماجی، سیاسی اور زمینی حالات سے مطابقت نہ رکھتی تھی۔

☆ از خود بھی دنیا کی انقلابی قوتوں نے اس پر توجہ نہ تھی اس شکست کے بعد بھی پاکستان ریاست بلوچستان کو نہ تو اپنا ہمنوا بنا سکی اور نہ اس پر مکمل کنٹرول حاصل کر سکی۔ افغان ثور انقلاب اور افغان خانہ جنگی نے جہاں اس پورے خطے پر بے پناہ اثرات مرتب کئے ہیں وہیں پر بلوچستان اس سے براہ راست متاثر ہوا ہے۔ اب حالات و واقعات تبدیل ہو چکے ہیں۔ دنیا بالکل ایک نئی صورتحال سے دوچار ہو چکی ہے۔ ایسے وقت میں بلوچستان ایک سوالیہ نشان کی شکل اختیار کر گیا

ہے کہ اب کی بار بھی یہ جدو جہد تب ایک درست سمت اختیار کر کے بلوچوں کو اپنی آزادی سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ جب بلوچ اپنی زیادہ منظّم سنجیدہ منصوبہ بندی کا مظاہرہ کریں جو فوری طور پر یہ ہو سکتی ہے۔

۱۔ یہ مسلح جدو جہد شروع کرنے سے پہلے بلوچستان میں آباد بلوچ و پشتون عوام کو باہم و مضبوط کر کے سیاسی عمل میں شامل کریں۔

۲۔ فوری طور پر ایک منظّم اور مربوط سیاسی تحریک کا آغاز کریں۔

۳۔ قومی مسئلے کو محنت کش عوام کے مفادات کے ساتھ جڑت کا عملی مظاہرہ کریں۔

۴۔ حقیقی انقلابی اور محنت کش عوام کے ساتھ جوڑے ہوئے عوامی مفادات کے قیادت اس کی رہنمائی کرے اس بار پھر اگر حکمران طبقے کے لوگ راہبری پر فائز ہوئے تو یہ ایک اور تباہی کا سبب ہوگا۔

۵۔ پاکستان اور اس کے اردگرد چلنے والی تحریکوں کی فوری حمایت حاصل کی جائے اور بلوچستان کی تحریک کو تنہا ہونے سے بچایا جائے۔

۶۔ دنیا بھر میں بھرپور منظّم اور جاندار حمایت حاصل کرنے کے لیے بھرپور مہم چلائی جائے۔

۷۔ مسلح جدو جہد کو سیاسی جدو جہد کے تابع اور کنٹرول میں رکھ کر چلایا جائے۔

۸۔ عوام کی نچلی پرتوں میں تربیت یافتہ سیاسی کارکنوں کے ذریعے کمیٹیاں تشکیل دی جائیں جو تحریک کے مرکز کے ساتھ باہم مربوط ہوں۔

۹۔ بلوچستان میں بالخصوص اور اس کے باہر بڑے عوامی اتحاد تشکیل دیئے جائیں اور یہ اتحاد اس تحریک کو توانا رکھنے میں اہم کردار ادا کریں۔

۱۰۔ اس خطے میں موجود تمام آزادی پسند انقلابی قوتوں کو از خود رضا کارانہ طور پر بلوچوں کی قومی تحریک میں شامل ہو جانا چاہیئے تا کہ تحریک تنہائی کا شکار نہ ہو۔

''اپنی تاریخ کی حفاظت ہر قوم کا حق ہے۔ان سے کوئی یہ حق چھین نہیں سکتا نہ اپنی سرزمین سے کوئی دستبردار ہوسکتا ہے۔''

(حبیب الرحمٰن)

جب حکومت قتل کرتی ہے

پاکستان کا نیشنل ایکشن پلان، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان

جب ریاستیں عوام کو حقوق دینے میں ناکام ہو جاتی ہیں یا منصوبہ بندی کے ساتھ حقوق دینے سے انکار کرتی ہیں تو اپنے اس انکار کو درست ثابت کرنے کے لیئے ایسے قوانین بناتی ہیں جن کو وہ قانون کی حکمرانی سے تعبیر کر کے اختلاف کرنے والوں، سوچنے بولنے اور لکھنے والوں کو قتل کرتی ہیں ان کے لکھے ہوئے پر پابندی لگاتی ہیں ان کو قید کر دیتی ہیں اور سب سے زیادہ خوف ان کو کتابوں سے آتا ہے وہ ان لفظوں سے ڈرتے ہیں جو حوصلے سے کوئی ادا کرتا ہے۔ حال ہی میں پاکستان میں نئے طرز قوانین بنائے جا رہے ہیں اور حیران کن حد تک پاکستان کی پارلیمنٹ عہدوں میں اس کی منظوری بھی دے دیتی ہے۔

اپنے ہی اُگائے ہوئے مجاہدوں کی دہشت گردی کو روکنے کیلئے پاکستان کی انتظامیہ نے سب سے پہلے دہشت گردی کے خاتمہ کا قانون (Anti Terrorist Act) بنا کر دہشت گردی سے نبٹنے کا اعلان کیا یہ تو معلوم نہیں کہ دہشت گردی کو کتنا کم کیا گیا لیکن اس ایکٹ کے مطن سے ایک اور قانون تحفظ پاکستان ایکٹ (Pakistan Protection Act) کا جنم ہوا اس قانون کے تحت کتنے دہشت گرد مارے گئے پکڑے گئے یا ان کو سزائیں دی گئی لیکن اس قانون کے ذریعے بلوچستان اور گلگت بلتستان میں سیاسی کارکنوں، قوم پرست تنظیموں اور ترقی پسند نظریات رکھنے والے لوگوں کو یا تو گولی مار دی گئی یا پھر ان پر غداری کے مقدمات چلا کر سزائیں سنائی گئی

اس کی صرف ایک مثال ہی کافی ہے کہ گلگت بلتستان میں عوام حقوق کے لئے لڑنے والے رہنما بابا جان کو نہ صرف قید کیا گیا بلکہ ان کو کوئی 60 سال کی سزا بھی سنائی گئی اور کچھ دوسرے مقدمات بھی ان پر چلائے جارہے ہیں جو پاکستان سے غداری کے دفعات کے تحت درج کئے گئے ہیں اور مزید یہ کہ ان مقدمات کا دیدود کرنے والے وکلاء پر بھی غداری کے مقدمات درج کئے ہیں جن میں وکلاء کی تنظیم گلگت بار ایسوسی ایشن کے صدر سمیت بے شمار دوسرے سیاسی کارکن شامل ہیں۔

ابھی پاکستان کا تحفظ جاری ہی تھا کہ آرمی پبلک اسکول میں فوجیوں کے معصوم بچوں پر گولیاں برسادی گئی بس پھر کیا تھا کہ ایک اور قانون کی سخت ضرورت محسوس کی گئی فوجی سربراہ اپنی سپاہ کو لیکر بہت مشتعل ہوئے راتوں رات ایک نیا قانون پاکستان نیشنل ایکشن پلان نافذ کردیا گیا جس کا بظاہر مقصد ان مذہبی انتہا پسندوں کا خاتمہ کرنا تھا جو پاکستان کے متقدر حلقوں نے خود تراشے تھے جن کا استعمال وہ افغانستان اور کشمیر میں بڑی خوبصورتی سے کر چکے تھے لیکن جب اس کو نافذ کیا گیا تو پاکستان کی جیلوں میں بند سزائے موت کو وہ قیدی بھی پھانسی پر لٹکا دیئے گئے جو ان کی اپنی تعریف کردہ دہشت گردی کے زمرے میں نہیں آتے تھے یوں سمجھے کہ پھانسیوں کی ایک بہار آ گئی پھانسیوں کی اس بہار میں نیلم آزاد کشمیر کے ایک نوجوان کی متنازعہ پھانسی بھی شامل ہے (باوجود اس کے وہ نوجوان ایک 5 سال کے بچے کے قتل میں ملوث تھا لیکن جب اس نے یہ جرم کیا تھا اس وقت اس کی اپنی عمر 18 سال سے کم تھی) اس ایکشن پلان کے تحت جن مذہبی انتہا پسندوں کو پھانسیاں دی جارہی ہیں ان کے جنازوں میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لوگ شامل ہوکر ان کو تعظیم دے رہے ہیں ان کے تابوتوں کو کندھا دینا اپنے لئے اعزاز سمجھتے ہیں۔

اسی ایکشن پلان کے ذریعے عدلیہ کے تمام اختیارات بھی پاکستان آرمی کو دیئے گئے تیز ترین انصاف فراہم کرنے کے لئے فوجی عدالتیں قائم کرکے فوجی آفیسرز کو ججز کی کرسی پر بٹھا دیا گیا جہاں مقدمات چلتے ہیں کون مدعی ہے کون وکیل اور کون منصف انصاف کا کہڑہ کہاں لگتا ہے کسی کو کچھ معلوم نہیں بس انصاف ہورہا ہے۔

قید کتابیں

اسی پلان کے تحت گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر میں بھی کارروائیاں شروع کی گئی حالانکہ کسی بھی بین الاقوامی قانون کے مطابق بھی اور خود پاکستان کے آئین کے مطابق بھی گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر پاکستان کا نہ تو حصہ ہیں اور نہ ہی پاکستان کے قوانین ریاست کشمیر کے ان حصوں پر لاگو ہو سکتے ہیں لیکن طاقت کے آگے بے بسوں کی صرف آہیں ہی ہیں۔

اس قانون کے آنے سے پہلے بھی کتابوں پر پابندیاں لگائی جاتی رہی ہیں ایک فہرست کے مطابق 12 کتابوں پر پابندی لگائی جا چکی ہیں جن میں کرشنا مہتا کی سوانح عمری، یوسف صراف کی (Kashmir fight Freedom)، منشی محمد الدین فوق کی لکھی تاریخ، تاریخ کشمیر اور مقبول بٹ پر لکھی گئی کتاب شعور فردا شامل ہیں اور دلچسپ بات یہ کہ ایک سرکاری آفیسر کو صرف اس لیئے نوکری سے نکال دیا گیا کہ اس نے کشمیر کے تاریخی نقشے کو کیوں چھاپا بات اگر یہاں یہ تک ہوتی تو شاید برداشت کر لی جاتی لیکن اس ایکشن پلان کے تحت APEX کمیٹی کی میٹنگ جس میں صدر اور وزیر اعظم آزاد کشمیر وزیر اعظم پاکستان اور فوج کے سپہ سالار بھی شریک تھے، میں اس طرح کی تمام کتابوں کو فوری ضبط کر کے چھاپنے بیچنے اور پڑھنے والوں پر مقدمات کر کے گرفتار کر لیا گیا پہلی کاروائی میر پور میں بک شاپ کو سربہ مہر کر دیا گیا کتابوں کی دکان کے مالک پبلشر اور وہاں کام کرنے والے مزدور پر اسی ایکشن پلان کے تحت مقدمات قائم کر کے کام کرنے والے کارکن کو گرفتار کر لیا گیا دوسری بڑی کاروائی ہجیرہ پونچھ میں کر کے دکان کو سیل کر کے کتابوں کو ضبط کر لیا آزاد کشمیر کے تمام شہروں میں کتابوں کو قید کرنے کے لئے چھاپوں کا سلسلہ جاری ہے۔ یاد رہے کہ ان ساری کتابوں کو قید کرنے کا حکمِ شاہی صادر ہے جو کشمیر پر لکھی گئی ہیں اس کی تاریخ پر لکھی گئی ہیں تحریک پر لکھی گئی ہیں۔ یا ایک تقسیم شدہ ریاست جموں کشمیر کو پھر ایک متحدہ ریاست تشکیل دینے پر لکھی گئی ہیں۔ کشمیر (Based) اخبارات کے مالکان اور ایڈیٹرز کو ایک ضابطہ کے تحت پابند کر دیا گیا کہ وہ کیا کیا چھاپ سکتے ہیں اور کیا کیا نہیں چھاپ سکتے ایک اخبار میں میرا انٹرویو چھاپنے پر

اس اخبار کے چیف ایڈیٹر کو بلا کر سخت تنبیہہ کی گئی کہ اس طرح کے انٹرویوز اور مضامین اگر دوبارہ چھاپے گئے تو برداشت نہیں کیا جائے گا یہ تو ایک طرف کی صورتحال ہے۔

22 اکتوبر اور ایکشن پلان

22 اکتوبر 2015ء کو پورے آزاد کشمیر میں ترقی پسند اور قوم پرست پارٹیوں نے قبائلیوں کی شکل کے بیرونی حملہ آوروں کے 22 اکتوبر 1947ء کے حملے کے خلاف یوم سیاہ منایا اور پہلی دفعہ پورے آزاد کشمیر میں بڑے پیمانے پر ان حملہ آوروں کی مذمت کی گئی اور اس دن کو ایک محسوس دن قرار دیا گیا اس میں کی جانے والی تقاریر اور نعرے پاکستان کے نیشنل ایکشن پلان میں لکھی عبارت کے خلاف قرار دیکر راولاکوٹ میں مظاہرین پر ہلہ بول دیا گیا سردار صغیر ایڈوکیٹ سمیت درجنوں کارکنوں پر بدترین تشدد کر کے گرفتار کر لیا گیا جبکہ دوسرے سینکڑوں مظاہرین کو زخمی کیا گیا۔ ان کے خلاف نیشنل ایکشن پلان کے تحت مقدمات درج کر کے جیل بھیج دیا گیا جو ہنوز گرفتار ہیں یہ اس ایکشن پلان کی دوسری قسط جاری کی گئی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اس طرح کے قوانین کے ذریعے لوگوں کو سوچنے بولنے پڑھنے اور لکھنے سے روکا جا سکتا ہے اور سوال یہ بھی ہے کہ کشمیر کے عوام کو جس طرح کے جبر کا سامنا ہے اس جبر سے چھٹکارے کے لیے کیا پہلے سے زیادہ حوصلوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک طرف بنیاد پرستی اور الحاق کے حامی قوتوں کی اپنے عوام سے دشمنی اور دوسری طرف قابض ملکوں کی فوجیں کشمیری عوام سے سب کچھ چھیننے میں مصروف ہیں ان کی تاریخ، تہذیب، ثقافت اور تاریخی ورثہ کہ کشمیری عوام کو وہی کچھ سوچنا ہے بولنا ہے پڑھنا ہے اور لکھنا ہے جو ان قابض قوتوں کا لکھا ہوا ہو اپنی تاریخ کی حفاظت ہر قوم کا حق ہے ان سے کوئی یہ حق چھین نہیں سکتا نہ اپنی سرزمین سے کوئی دستبردار ہو سکتا ہے۔ کتابوں پر پابندی سے سوچیں اور خیالات کو پھیلنے سے نہیں روکا جا سکتا تاریخ نے یہی سبق دیئے ہیں اور نچوڑ بھی یہی ہے علم عالم انسانیت کا ورثہ ہے اس پر پہرہ نہیں بٹھایا جا سکتا۔

کشمیر اور دھوکہ دہی کی سفارت کاری

مسئلہ کشمیر برصغیر کی مجموعی سیاست اور اہم طور پر پاکستان ہندوستان کے درمیان تعلقات پچھلے کئی دہائیوں کی طرح اب ابھی مصنوئی سی سفارت کاری کی جارہی ہے،لیکن حقیقت میں یہ دھوکہ دہی کا ایک عمل ہے جس میں دونوں مما لک ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔اور دوسری طرف اپنی اپنی حیثیت اور طاقت کہ بل بوتے پر غلامی جبر اور استحصال کا شکار عوام کے بلا دکار کر رہے ہیں،اور ریاست کو ایک فرانسی کہاوت (Frenchbed) فرانسیسی بستر کی مانند کشمیر کو تار تار کر رہا ہوتا ہے تو دوسرا باہر انتظار کر رہا ہوتا ہے۔اس ریاست کی حرمت کو تار تار کرنے کے بعد ایک جعلی رونے کا عمل شروع کر دیتے ہیں اور لوٹنے جانے والے اپنے لوٹنے کے اسباب کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور اس کارروائی کو نہ سمجھ آنے والی ان دیکھی طاقت کی رضا سمجھ کر قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔پاکستانی گلگت ،آزاد کشمیر اور ہندوستانی کشمیر کے درمیان قابض ملکوں کی قائم کی ہوئی حد بندی پر مسلسل ہونے والی فائرنگ، میں ہندوستان اور پاکستان فوجیوں کی ہلاکتیں دونوں ملکوں کی قومی پالیسیوں کے عین مطابق ہو رہی ہیں اور دونوں ملکوں کو ان غریب فوجی سپاہیوں کے مرنے ''یعنی معتبر شہادتیں'' والوں سے بحر حال کوئی ہمدردی نہیں۔

پاکستان اور ہندوستان کی طرز کی ریاستوں کا ایک طرح کے مسائل پیدا کرنا ان کی ضرورت اور اپنے عوام کو ہیجائی کیفیت سے دوچار کر کے ان کو مزید لوٹنے کا عمل ہوتا ہے۔

بحر حال اس حالیہ فائرنگ اور گلگت میں مہمان سیاحوں کے قتل نے بہت سے اہم سوالوں

کو جنم دیا ہے کہ آیا یہ دونوں واقعات از خود رونما ہو گئے یا ان کے پیچھے کوئی خاص منصوبہ بندی شامل ہے۔ فائر بندی لائن پر رہنے والے لوگوں کس کرب میں یہ دونون ریاستیں مبتلا رکھتی ہیں، اس کرب کا اندازاہ محفوظ جگہوں پر بیٹھے ہوئے ان دانش وروں (جو آج بھی اونٹ پر سواری کے تقدس کی بحالی پر بضد ہیں) کو نہیں ہوسکتا۔

کچھ سوالات رہتے ہیں جن پر دونوں ملکوں کے ذرائع ابلاغ سوچنے والے ان ریاستوں کی سرپرستی میں چلنے والا سوچنے کے مرکز سے مسلسل ایک ایسا پروپیگینڈہ کیا جارہا ہے۔ جس سے یہ محسوس ہونا شروع ہوجاتا ہے کہ یہ خونی تنازعہ شاید پھر کسی منظرنامے پر آ گیا ہے۔ دونوں ملکوں کے سیاستدانوں کی صلح صفائی، بات چیت کی لفاظی سے بھرپور خالی پن پہلے سے زیادہ نمایا ہوا ہے۔ جبکہ کے دوسری طرف رجہتی اور بنیادی پرست قوتیں دونوں ریاستوں کی مکمل تربیت اور رہنمائی میں اپنا گولی بارود کا کردار مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں ہندوستان اور پاکستان کے حکمران طبقات کی خواہش کے مطابق یہ بنیاد پرست رجہتی قوتیں ان حکمرانوں سے طاقتور کردار ادا کرتی ہیں اور ان کی مجموعی پالیسیوں میں اہم اور کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔

خون میں ڈوبئے گئے واقعات کے بعد دونوں اطراف کے سیاستدان کے خارج امور وزارتیں اور سفارت کار نایاب جھوٹ تراش کے طے شدہ الزامات تراشیوں کی ایک ایسی بارش برساتے ہیں کہ کوئی دیکھا کرے ایسے لگتا ہے کہ بس اب جنگ شروع حالانکہ اس جنگ نہیں ہونا ہوتا رونہ ہوگی۔ دونوں ریاستیں جنگ کرنا ہی نہیں چاہتی اور نہ ہی کرسکتی ہیں، بس اپنے اپنے اندرونی خلفشار کو کنٹرول کرنے کے لئے ایک ہیجان کیفیت کو جنم دیتی ہیں، اور اپنے اپنے پولیٹیکل فرنٹ ہندو جن سنگھی سبھاؤں بی جے پی جماعت اسلامی اور عمران خان جیسے غیرت مند مسلمانوں کے ذریعے ایک طرف اسلام کے ماننے والوں کو ہندوؤں کے خلاف اشتعال دلاتے ہیں اور دوسری طرف بال ٹھاکرے کے دھرم پجاریوں کے ذریعے ہندوستانی ریاست ایسی ہیجانی کیفیت پیدا کرتے ہیں کہ مودی جیسے ہندو رہنما اپنی آتماؤں کی شانتی کے لئے نکل دوڑتے ہیں۔ اور یہ

سارا عمل ان دونوں ریاستوں کے خفیہ اداروں کی منصوبہ بندی اور طے شدہ حکمت عملی کے طور پر ہوتا ہے جسے وہ امیروں کے میڈیا (ذرائع ابلاغ) کے ذریعے عام اور سادہ عوام کو یہ صبح دوپہر شام دوا کے طور پر نفرتوں کی غذا فراہم کرتے ہیں۔

ڈاکٹر نجیب اللہ کے افغانستان کے صوبے خوست میں امریکہ کی سربراہی میں زیر زمین قائم کئے گئے جہاد کے تربیتی مرکز سے اسامہ بن لادن کی سربراہی میں تربیت حاصل کرنے والے مجاہدین کی تخلیق نے اس پورے خطے کو عذابوں کے جنگل میں تبدیل کر دیا ہے۔

پاکستان کشمیر بشمول گلگت بلتستان کی فائر بندی کی حدوں میں یہ مجاہدین کیا نہیں کرتے ہیں ان کو وہاں پہ سب کچھ کرنے کے لئے ساری سہولیات ہوتی ہیں پاکستانی فوج کے کمانڈوز کبھی بھی اس حد کو کبھی بھی پار نہیں کرتے خاص طور پر دو ہزار تین کے بعد یہ حد لازمی طور پر جنت کے متلاشی یہ مجاہد ہی پار کرتے ہیں کبھی کبھار ہندوستان کی قابض فوج پاکستان کی قابض فوج فائرنگ کرتے ہیں گولے برساتے ہیں یہ تو نہیں پتہ کہ اس سے کتنے فوجیوں کی جانیں جاتی ہیں لیکن عام شہری اس کا لقمہ اجل بنتے ہیں اس طرف بھی اور اس طرف بھی ان اجنبی فوجوں کی گولیاں سے یہ معصوم انسان پچھلی کئی دہائیوں سے نشانہ بن رہے ہیں۔

اپنے ہی ہاتھوں سے قتل کی گئی ان سوختہ لاشوں کو اپنے کندھوں پر اٹھائے یہ دونوں ملک قاتل کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔

پروپیگنڈہ کا ایک لامتناعی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور پھر ایک دم سے امن مذاکرات دوستی اور چیزوں کی تمام مشقوں میں حرف ایک چیز نہیں ہوتی اور وہ ہے کشمیر کے غلام و مظلوم عوام۔

دہلی کی سرکار سرینگر کے انتظام کاروں کو کشمیر کے عوام کا نمائندہ قرار دیتی ہے اور اسلام آباد کی سرکار مظفر آباد اور گلگت کے بونے کرداروں کا نمائندہ سمجھتی ہے مجھے سرینگر والوں کی نمائندگی کا زیادہ ادارک نہیں کہ وہ کس حد تک صاف طریقے ہندوستانی کشمیر کے عوام سے ووٹ لیتے ہیں لیکن مظفر آباد اور گلگت کے دلالوں کے تخت پر بیٹھے بونے تو صرف اسلام آباد کی نامزدگی خفیہ

اداروں کی منصوبہ بندی ناکارہ شعور سے نابلد پاکستان کے زیر انتظام امیر ہی نمائندہ ٹھرائے جاتے ہیں۔جن کی ناکوئی وقعت ہے اور نہ ہی حیثیت یہ انتہائی تابعدار ایسے غلام ہیں جو غلام رہنے پر نہ صرف فخر کرتے ہیں بلکہ اس غلام کی تاویلیں تلاش کر کے اس کو درست ثابت کرنے کے تاریخی جرم کے بھی مرتکب ہیں یہ خود کو بیچ دینے میں شرمندہ بھی نہیں ہیں وہ ساری قوتیں چاہے اس پار ہے یہ اس پار سب دوشی ہیں اور مجرم ہیں۔قوم پرست تنظیموں کے کچھ حصوں کو دونوں ریاستیں کبھی کبھی ان کی موجودگی کا احساس دلاتی ہیں لیکن وہ قوتیں جو زیادہ واضح مقاصد اور حدف کے ساتھ جدوجہد میں مصروف ہیں وہ ان دونوں ریاستوں کو نہ تو برداشت ہیں اور نہ ہی قبول مذہبی انتہاپسندی کو جس تیزی سے کشمیر کی تینوں حصوں میں مضبوط کیا جارہا ہے ان کو وسائل مہیا کیے جارہے ہیں۔

گہری حکمت عملی کے طور پر آنے والے وقت اس انتہاپسندی کے ذریعے کے کشمیر کی عام آبادی کو آپس میں لڑایا جائیگا، جو سب کچھ بھسم کر جائیگا اور کشمیر مختلف مذاہب کے مابین قتل وغارت گری کی شکل اختیار جائیگا آزادی اور خوشحالی کا سوال فرقہ واریت میں دب کر تباہ ہو جائیگا۔

الم ناک بات یہ ہے کہ دونوں ممالک کی فوجی اور سول بیوروکریسی نے کشمیر کے سوال پر زیادہ پیچیدگیاں تخلیق کر کے اس کے ذریعے دفاعی بجٹ ہتھیاروں کی خرید وفروخت منافعوں اور مراعات میں اضافے کے لئے استعمال کیا ہے۔اسی کے ساتھ ساتھ امریکہ اور دوسرے امیر سرمایہ دار ملکوں نے اس مسئلے کو خطے میں امن کو لاحق خطرے کے مفروضے کی بنیاد پر اپنے مفادات کی ترویج اور تحفظ کے لئے استعمال کیا ہے۔دونوں ملکوں کی فوجی اشرافیات اس کو ختم نہیں کرنا چاہتی اور نہ ہی وہ اس کے حل کی طرف بڑھنے والی کوششوں کو کامیاب ہونے دیتی ہے، چونکہ کشمیر کا سوال ہی تو ان فوجوں کو مہنگے اسلحہ کی خریداری جدید میزائل اور آبدوزوں کی تیاری جہاں ایک طرف اسلحوں کی صنعت کو منافع فراہم کرتی ہے جبکہ دوسری طرف ان دونوں ملکوں کے فوجی اشرافیہ بھاری بھاری کمیشن بناتی ہیں یہی وجہ ہے کہ جدید اسلحہ خریدنے والے ملکوں میں ہندوستان

اور پاکستان کا نمبر پانچواں ہے۔جبکہ دونوں ملکوں کی آدھی سے زیادہ آبادی غربت کی خوفناک تہوں میں زندہ رہ رہی ہیں اور یہ ایٹمی قوتیں ہیں۔اور یہ دونوں ایٹمی قوتیں اپنی فوجوں کو بھی آگے کرتے ہیں اور کبھی پیچھے ہیجانی کیفیت کی تخلیق کرتے ہیں جنگی دھمیاں اور پھر امن مذاکرات شروع کردیے جاتے ہیں۔اور یہ امن مذاکرات امن کی ضمانت دینے سے عاری ہوتے ہیں جبکہ جنگی دہمکیا؟ں کبھی بھی سنجیدہ جنگ میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ منافقت بھری یہ خونی چکر بازی جاری رہتی ہے اور یہ سب ان کے لئے اس لئے ضروری ہے کہ یہ اس کے ذریعے اپنے عوام کو دھوکہ میں رکھ کر لوٹ مار اور منافع کے عمل کو تیز تیز کرتے ہیں ان دونوں ملکوں کا یہ عمل کشمیر کے عوام کو تاراج کرتا رہے گا۔

زیادہ واضح طور پر یہ کہنا سچائی ہے کہ ہندو اور مسلمان بنیاد پرست ان ریاستوں کی مدد سے اس ایک دوسرے کے مددگار کے طور پر اس خطے کی سیاست خوفناک سراہت کر گئے ہیں کہ یہ دونوں ریاستیں اپنا کنٹرول کھو کر ان کی مرہوں منت ہو چکی ہیں۔جن کے لازمی نتائج کشمیری عوام کی بربادی اور تاراجی ہے۔

قومی آزادی کے بنیادی سوال کے نتیجے میں کشمیر ایک الگ خوشحال ریاست کی حتمی منزل کھو رہی ہے۔باشعور سیاسی عمل نظریات اور مقاصد متاع گم گزشتہ کی شکل اختیار کر رہے ہیں تاریخ فرائض ادا کرنے والی شخصیات اور افراد گم نامی کی گہرائی میں دفن ہو رہے ہیں۔مذہب اور تو ہم پرستی کشمیری سماج بنیادی شکل اختیار کر گئی ہے جبکہ اس کو طرح طرح کے پردوں کے پیچھے چھپا کر پیش کہا جاتا ہے اس خیال پرستی کی تہہ میں ہمیشہ مذہب ہوتا ہے جو انسانوں کے مجموعی کردار کو محدود کر کے ایک محور کے اندر بند کر دیتا ہے اور یہ محور وہ مرکز بن جاتا ہے جہاں نفرت تعمیر ہوتی ہیں اور انسانیت کا دم گھٹنے لگتا ہے اور پورا کشمیر اسی دم گھٹنے کی دہلیز پر کھڑا ہے۔

کشمیر کی آزادی کی تحریک پر کیا گزری آیا وہ کبھی کشمیر میں ایک حقیقی اور سچی آزادی کی کسی تحریک نے جنم لیا بھی ہے یا نہیں اور کیا آزادی کے سوال پیش کرنے والے گروہ اس سے باخبر بھی

ہیں کہ نہیں کہ ایک حقیقی آزادی کی تحریک کے لئے ماحول کار کیا ہوتا ہے اس کو منظّم کیسے کیا جاتا ہے اور میں وسیع تر عوام کی شرکت کس سطح پر ہے۔ کربلایت پیدا کر کے کسی ایک عقیدہ کو ماننے والوں کو متحرک کر دینا وسیع تر عوام کی شرکت نہیں ہوتی، وسیع تر عوام کی شرکت کے بغیر آزادی کی تحریکیں داغ داغ تحریکیں ہوتی ہیں اور ایسی تحریکیں جو منزلوں اور رہنما کے بغیر ہوتی برباد ہو جاتی ہیں۔

آج جب ہندوستان اور پاکستان کی سرکاریں طے شدہ جنگی دھمکیوں کے بعد طے کردہ ''بے نتیجہ امن مذاکرات'' کا آغاز کر رہے ہیں تو پھر کشمیر کی آزادی کی خواہش رکھنے والی قوتیں جو نعرے بازی لفاظی اور اخباری بیانات سے آگے نکل کر ایک حقیقی اور سچی آزادی کی تحریک تعمیر کرنا چاہتی ہیں، تو انھیں پھر تمام مصلحتوں سے آگے نکل آنا ہوگا انسانیت کی آزادی کی تاریخ کے اسباق سے سیکھ کر آگے بڑھنا ہوگا اور تحریک کی قیادت بلا تخصیص کشمیری عوام کو منتقل کرنا ہوگا۔ سبھی قیاس آرائیوں خدشات خوف اور اچھی ہمدردیوں تیاگ دیکر ہندوستان اور پاکستان کے عوام سے نفرت کے بغیر اپنی آزادی کے لئے آگے آنا وقت کا تقاضہ بھی ہے اور تاریخ کا فرض بھی۔ اس خوفناک منظر نامے میں کمیونسٹ یا بائیں بازوں کی قوتوں کو اپنی تاریخی وراثت سچا ثابت کرنے کے لئے چی گویریا کی انقلاب سے وفاداری اور لینن جیسی سچی قیادت والے کردار کو ادا کیے بغیر کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ اپنے عوام سے وفاداری اور ان پر اعتماد ہی ضمانت ہے اس نعرے کے ساتھ۔

''کہ اٹھو تم سب جو غلام نہیں ہو گے''

اگر ایسا نہ ہوا تو

''ہنسی میں تسکین نہیں رونے سے غم غلط نہیں ہوا، زندگی بے لذت گناہوں کی بھینٹ چڑھ جاتی''

دنیا کی نئی کروٹ اور جموں کشمیر

1990 کی دہائی میں جب سویت یونین بکھر رہا تھا تو ہر سو ہاہا کار مچی ہوئی تھی۔ دلیلیں اور ثبوت دیئے جارہے تھے کہ دنیا میں نظریات کی لڑائی ختم ہوگئی کوئی اس کو تاریخ کا خاتمہ قرار دیا جارہا تھا اور کوئی تہذیبوں کے تصادم کا راگ الاپ رہا تھا اور سرمایے کے محافظ سویت یونین کے بکھرنے کو مارکسزم کی شکست قرار دے رہے تھے کہ مارکس ناکام ہوگیا مزدوروں کی جدوجہد شکست سے دوچار ہوچکی ہے کہ اب دنیا کو مارکس کی ضرورت نہیں رہی ہے اور دنیا کو صرف ایک نئے حکم نامے کے تحت ہی چلایا جاسکتا ہے اور وہ حکم نامہ New World Order کے نام سے جبر کی ایک نئی شکل میں سامنے آیا۔ ریاستوں کی ریاستیں اس حکم نامے کے آگے ڈھیر ہوگئیں جمہوریت اور بنیادی آزادیوں کے نام پر اس حکم نامے نے ریاستوں اور ملکوں کو تاراج کردیا آگ وخون سے دنیا بھر گئی بین الاقوامی سرحدوں کو انسانوں کے گزرنے کے لئے انتہائی سخت کرکے دولت اور سرمائے کے لیے آزادانہ گزرگاہ بنادیا گیا بارود اور بموں کی بو اور تعفن نے انسان، حیوان، چرند، پرند سب کو تعفن زدہ کردیا۔ بین الاقوامی حاکموں نے لفظوں کی ترتیب بدل دی الفاظ کو نئے معنی دینے شروع کردیئے نئی اصطلاحیں ایجاد کرنا شروع کردی انقلاب وآزادی سوالات پش منظر میں دھکیل دیئے گئے مزدور کی جدوجہد اور طبقاتی تفریق کو یہ کہہ کر تاریخ کے پاتال میں پھینکنے کی کوشش کی گئی کہ اب طبقاتی جدوجہد نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے مزدور طبقہ اپنی طاقت کھو چکا ہے سرمایہ داری جیت گئی ہے۔ ایک طرف یہ شادیانے بج رہے تھے فتح کے اعلانات کیئے جارہے

تھے اور ساتھ ساتھ مارکسزم کا دم بھرنے والے کچھ حصے بھی سرمایہ داری کی جے جے کار کی تصدیق یہ کہہ کر رہے تھے کہ سرمایہ داری نے اسٹالنزم کو شکست دی ہے۔ یہ اپنے تئیں وہی ماضی کی طرح کا راگ الاپ رہے تھے جو انہوں نے اپنی ساری تاریخ میں گایا ہے و۔قت اور حالات سے پچھڑے ہوئے یہ بچارے اونچا اونچا بول کر سرمایہ داری کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے اپنے اس فریضے کو بدرجہ اتم ادا کر رہے تھے جو وہ ماضی میں انقلابات کو روکنے کے لئے مارکسزم کے نام پر کرتے رہے ہیں،۔ مارسزم کو شکست دینے کا کورس انہوں نے سرمایہ داری کے ساتھ مل کر خوب گایا اس شوروغوغا میں بعض اوقات یوں لگتا تھا کہ واقعی ہر چیز ختم ہوگئی ہے جو تھا سب غلط تھا اور جو ہے وہی صحیح ہے۔

وقت سے پچھڑے ہوئے یہ ''مارکس وادی'' اور عالمی سرمایہ داری دونوں یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ دنیا میں جب تک ایک بھی مزدور زندہ ہے اور اس کا استحصال جارہی ہے تو پھر مزدوروں کی جدوجہد ختم نہیں ہوسکتی یہ لامتناہی جدوجہد اس وقت تک جارہی رہے گی کہ جب تک جبر اور ظلم پر مشتمل عالمی نظام ختم نہیں ہوجاتا، ایک نئی دنیا تشکیل نہیں پاجاتی۔

ایک طرف یہ ہاہا کار مچی ہوئی تھی اور دوسری طرف دنیا بھر کے محنت کش عوام کچھ اور ہی سوچ رہے تھے بلکہ وہ ایک اور صف بندی کر رہے تھے کہ دنیا کے ایک کونے سے ویز ویلا بول پڑا۔اس نے عالمی سرمایہ داری کو چیلنج کر دیا کروڑوں عوام نکل پڑے بین الاقوامی سرمایے کے محافظوں کو للکار کر اپنے دیش سے نکال باہر کیا تیل اور دوسری معدنی دولت کو ویز ویلا کے عوام کے نام کر دیا۔ پھر ایک سیر یز چل نکلی جب سرمائے کے بین الاقوامی محافظوں نے عراق، افغانستان پر حملے کیئے تو دنیا بھر کے عوام لاکھوں کے تعداد میں امڈ آئے اور اس جنگ کے سامنے کھڑے ہوگئے ۔دنیا بھر کے غریبوں کے اس انبوہ کے سامنے جبر کی قوتیں ایک طرف دم بخود ہوکر رہ گئی اور دوسری طرف معاشی کساد بازاری نے ان کو ایسے ایسے سمجھوتے کرنے پر مجبور کر دیا کہ ماضی کے دشمن دوست اور حال کے دوست دشمنی پر اتر آئے۔ پورا عرب آگ وخون میں ڈوب گیا ہر سو انسانی لاشوں اور بچوں کی چیخوں نے ڈیرے جما لیے لاکھوں انسان بے گھری اور بے وطنی کا شکار ہوکر در بدر ہوگئے

سرمایے کے ان محافظوں کے تربیت یافتہ مجاہدوں نے عورتوں کو جنگ میں لوٹا ہوا مال غنیمت کے طور پر جنسی غلام بنالیا یا ان کو منڈی لگا کر بیچ دیا ان مجاہدوں نے بلاتخصیص کم عمر بچیوں سے لیکر بوڑھی عمر کی عورتوں سب کی عزتوں اور وقار کو پامال کر دیا مجال کے کسی کے پاس سے کوئی احساس بھی گزرا ہو کہ انسانوں کی یہ تذلیل آج کے ترقی یافتہ دور میں کیسے ممکن ہوگئی منافع کی اس بین الاقوامی سیاست میں انسانی توقیر اور حمیت پر کیا قیامت گزری۔ جبکہ دوسری طرف یورپ کے ایوانوں میں یوکرائن تا شام ایک نیا سوال لیکر کھڑا ہوگیا۔ روسی فیڈریشن نے نئے نظام کے تحت ایک نئی انگڑائی لی ماضی کے اس بے خدا ریاست نے خدا کو ماننے والوں سے ایک نیا اتحاد بنالیا۔ ہر دو طرف سے بارود کی برسات نے لاکھوں انسانوں کو بے گھر ہونے پر مجبور کر دیا زندگی کی تلاش میں سرگرداں انسانوں کا یہ انبوہ کہیں تو پانیوں میں ڈوب گیا اور کوئی کسی کنٹینر میں دم توڑ کے مر گیا کئی کوئی ایان ساحل کی ریت پر اوندھا پڑا سوالیہ نشان بن گیا اور کوئی یمن کا گم سن علاج کرنے والے معالجوں کو کہتا ہے کہ مجھے زندہ دفن نہ کرنا۔

دوسری طرف مالدار ملکوں کے کافر حکمرانوں نے انسانوں کے اس ریوڑ پر سرحد بند کر دیں کہ اگر وہ بارود کی بارش سے بچ گئے ہوں تو کھلے آسمان کے نیچے موسم کی شدت اور بھوک سے مر جائیں۔

پھر ایک دوسرا ناٹک دہشت گردی کے خلاف رچایا گیا۔ دلیلیں دی گئی خود تراشے ثبوتوں کا انبار لگا دیا گیا بھوک مری کا شکار افغان عوام بارود کا ڈھیر بن گئے۔ بارود کے اس ڈھیر سے بربادیوں کے نئے لشکر ابھر آئے۔ جو آس پاس اپنے نہ دکھائے دینے والے سپہ سالاروں کی سربراہی میں مورچہ زن ہوگئے۔ پارسائی کے لبادے میں باریش چہروں سمیت جدید زیبائش والے خوش نما شکلیں بھی ان کا دم بھرنے لگیں۔ باریش چہروں اور ٹائی سوٹ میں کریموں سے لدے اتحاد نے بڑے ٹوبے بھرے اپنے دوغلے پن کو چھپانے کے لئے دوغلہ پن تحفظ تو نہیں دے سکتا نا کسی کو اور پھر جرم چھپتا بھی تو نہیں جھوٹ پر کھڑی کی گئی عمارت میں سچ کی کھڑکی کہیں نہیں کہیں کھلی رہتی ہے سچ کی یہ کھڑکی تو تاریخ ہے جو کسی کو معاف نہیں کرتی۔

سیاست کی اس بین القوامیت نے پورے عالم کو ہلا کے رکھ دیا۔ سویت یونین کے خلاف خوست کے زیر زمین تہہ خانے میں تیار کئے جانے والے مجاہدوں کو ڈالروں اور ہیروئن کے کاروبار میں پُرو دیا گیا۔ پلٹا کھا جانے والی طاقتوں نے افغان جنگ کے بعد بیروزگار ہو جانے والے ان مجاہدوں کے لئے دھیمی آنچ پر رکھی زعفرانوں اور چناروں کی سرزمین یعنی کشمیر میں ایک نیا کارزار سجالیا۔ جنگ کے اس نئے میدان میں مجاہد کہلانے والے حریت پسندی کی چھتری اوڑھے آدھمکے۔ ان کو منظّم کرنے اور بھیجنے والی قوتوں نے بارود برسانے سے پہلے بڑی نچلی سطح پر کام کیا۔ کشمیر کی الگ ریاست کی بات کرنے والے گروہ جو پاکستان کے ان اداروں کی نظر میں غدار تھے کو گود لے لیا مقبول بٹ شہید کے ان ساتھیوں نے ذرا بھی توقف نہیں کیا وہ پکے پھل کی طرح ان کی جھولی میں گر گئے اور یہ بھی نہ سوچا کہ تہاڑ جیل میں مدفون مظلومیت اور مزاحمت کی یہ نحیف سی علامت اپنے آدرش کھو تو نہیں رہی۔

کشمیر کو ایک الگ ملک بنانے کے خواہشمند بڑی جلدی میں سپہ سالار بننے کی خود پسندی میں نفرت اور بربادیوں کی علامت بن گئے۔ بندوق دینے والوں نے دیکھتے ہی دیکھتے کشمیر کو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھا دیا صدیوں سے مل کر رہنے والوں کو جو ایک تاریخی پس منظر رکھتے تھے عقائد کی بھینٹ چڑھ گئے آزادی کا گیت ان بندوقچیوں کی گولیوں کی نظر ہو گیا۔ پنڈتوں کو کافر قرار دیکر مارا جانے لگا۔ ہجرتیں شروع ہو گئیں ہندوستانی افواج کا عوام پر جبر تیز ہو گیا مجاہدیوں کے خوف سے 6 لاکھ پنڈت جموں اور دہلی کی طرف ہجرت کر گئے اور ہندوستانی فوج کے خوف سے کوئی ڈھائی لاکھ کے قریب مسلمان پاکستان کے زیر قبضہ آزاد کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے دونوں طرف کے ان مہاجروں کو ہندوستان اور پاکستان کے حکمران طبقات نے بین الاقوامی سطح پر ان درماندہ انسانوں کی چابکدستی سے منادی کی اس سب سے اور تو کچھ ہوا یا نہیں لیکن یہ مذہبی نفرت صدیوں سے مل کر رہنے والوں کے لیے عذاب بن گئی۔ آزادی کی جدوجہد جہاد کی شکل اختیار کر گئی جبکہ دوسری طرف لاتعلق اور خاموش بھگوان بھی جاگ اُٹھا پھر خون اور بربادی نے ہر چیز کو بھسم کر کے رکھ دیا۔

جھوٹ کے پراپیگنڈے نے جموں کشمیر کے ہر حصے کو متاثر کیا ایک سراسیمگی پھیل گئی پاکستانی پریس نے وہ ہاہا کار مچائی کہ لگتا تھا اب دلی دور نہیں اسلام آباد اب لال چوک میں ہی آ گیا ہے۔ لیکن نائن الیون کے واقع نے ماضی کے ان مجاہدوں کو لمحے بھر میں دہشت گرد قرار دے دیا، افغانستان کو بارود میں ڈبو دیا گیا پاکستان کے پالیسی سازوں کو جہادرو کنا پڑا جنگ بندی لائن میں گولی باری رک گئی۔ JKLF کے ایک رہنما نے ہندوستان میں قید سے رہائی کے بعد بندوق والی لڑائی سے علیحدگی اختیار کر لی اور گاندھی کے عدم تشدد کی فلاسفی کو آزادی کو بنیاد قرار دے دیا۔ لیکن اس عدم تشدد کی تبلیغ کا بندوقوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ ان مجاہدوں کو برا قرار دے دیا گیا اور دلچسپ بات یہ کہ ان برے مجاہدوں کو صرف منظر سے ہٹا کر محفوظ جگہ پر پہنچا دیا گیا کہ حسب ضرورت ان کی صلاحیتوں سے استعفادہ کیا جا سکے۔ 2005ء کے زلزلے کی تباہی میں ان برے مجاہدوں کے نرم حصوں کو متاثرین کی اولاد کے لئے بھیج دیا گیا اس بات کو تسلیم کئے بنا کوئی چارہ نہیں کہ مجاہدوں کی ان تنظیموں نے متاثرین کی بے حد مدد کی وہاں بھی پہنچے جہاں حکومت اور پاکستانی فوج نہیں پہنچ سکی تھی۔ امداد کی ان سرگرمیوں نے ان تنظیموں کے جہاں حوصلوں میں اضافہ کیا وہی پر نئے مراکز بھی قائم ہوئے ستانے کے لئے یہ مراکز صحت بخش جنت سے کم نہیں تھے۔ پس جہاں جہاد کی تعلیم و تربیت ہی حاصل کی جا سکتی ہے یہ سب پاکستان کی فوجی حکومتیں ہوں یا جمہوری ہر دور میں جاری و ساری رہتا ہے۔

جہاں ایک طرف پاکستان کے مقبوضہ علاقوں میں یہ عمل جاری تھا کہ ہندوستان میں کانگریس کی بدترین شکست کے نتیجے میں بی جے پی کی حکومت بڑی اکثریت سے قائم ہوگئی جنت میں سمادی لے جانے کی خواہش ان میں بھی کم نہ تھی مسلمانوں کی لشکر طیبہ کی طرز کی شیوسینا، راشٹریہ سیوا سنگ اور جن سنگھی بھگوان کی آتما کو شکتی دینے نکل پڑے انہیں جہاں جو ملا ذبح کر دیا گیا۔ ہندوستانی ریاست کی مکمل آشیر باد سے ان گروہوں نے جہاں پورے ہندستان کو تاریخ کے نازک موڑ پر لا کھڑا کیا وہی پر کشمیر میں بھی صف بندی شروع کر دی پاکستان اور ہندوستان دونوں کی جمہوری

حکومتوں نے ایک دوسرے پر الزام تراشی کا پرانا فن دوبارہ آزمانا شروع کر دیا۔ جنگ بندی لائن پر گولی باری شروع کر دی گئی دونوں طرف کی گولیوں سے نشانہ غریب الوطن کشمیری مرتے رہے ان مظلوموں کی لاشوں کی نمائش ہر بین الاقوامی فورم پر کرتے رہے دنیا نے ان لاشوں پر کیا کہا یہ تو معلوم نہیں لیکن جموں کشمیر کے تمام حصوں میں مذہبی نفرت شدید بدتر ہوگئی جموں ابل کر باہر آ گیا وادی گولیوں کی بوچھار کے ساتھ ساتھ ہڑتالوں کی نظر ایک بار پھر ہوگئی جہاں کے جموں یا وادی کی سیاسی جماعت نے لوگوں کو جوڑنے کی کوشش کی ہو ان کی نفرتوں تو کم کرنے کی کوشش کی ہو۔ ہندوستان کی سیکولر جماعتوں اور کمیونسٹ پارٹیوں نے بھی یا تو خاموشی اختیار کی ہوئی ہے یا مصلحت کی ڈوبی لاتعلقی کا اظہار کیا ہے سوائے کمیونسٹ پارٹی مارکسٹ کی کشمیر برانچ جو براہ راست متاثر بھی ہے کہ ان کے رہنما یوسف تاری گامی کو بھی سرینگر سے ہجرت کرنا پڑی رواداری کا درس دے رہی ہے جو نہ صرف ناکافی ہے بلکہ بربریت کے اس ہجوم میں طوطی کی آواز سے زیادہ کچھ نہیں چونکہ یہ خدا اور بھگوان دونوں کو ناپسند ہے۔ اسی کے ساتھ ایک اور نحیف سی آواز لبریشن پارٹی کے ہاشم قریشی کی بھی آتی ہے جو بندوقوں کے ان سائے میں دبی دبی سی ہے۔

جبکہ پاکستان کا بیانیہ ترتیب ہی جہاد کی مقدس ترتیب سے شروع ہوتا ہے جہاں پیپلز پارٹی جیسی پارٹی کو بھی کشمیر بنے گا پاکستان کا گیت گانا پڑتا ہے۔ جبکہ آزاد کشمیر میں قوم پرست گروپ نہ صرف تنظیمی انتشار کا شکار ہیں بلکہ فکری ابہام میں بھی مبتلا ہیں۔ جبکہ جموں کشمیر پیپلز نیشنل پارٹی جو بائیں بازوں کے نظریات رکھتی ہے معتوب اور مجاہدوں حکومت اور دائیں بازوں کی ساری قوتوں کے حملوں کی زد میں ہے۔

ماضی کی خوش گمانیوں میں مبتلا یہ نجات دہندہ ہر لمحہ کشمیری عوام کی غربت غلامی محرومی کے زخموں کے ساتھ ساتھ بربادیوں کے زخم سے بھی چور کر رہے ہیں۔

بین الاقوامی تبدیل ہوئی اس صورتحال میں جموں کشمیر تنہائی کے کونے پر کھڑا سوالیہ نشان بن گیا ہے جبکہ یونان سے لیکر کینیڈا اور لاطینی امریکہ سے لیکر برطانیہ تک سیاست نئے رخ اختیار کر رہی ہے۔

زیادہ ریڈیکل لوگ قیادت کے منصب پر نمودار ہو رہے ہیں ایک نئی بحث کا آغاز ہو گیا ہے کہ سرمایہ داری نے انسانوں کو بربادی کے سوا کچھ نہیں دیا اس فالج زدہ نظام سے چھٹکارے کے سوا نسل انسانی کی بقا ممکن نہیں ہے اس نئی کروٹ لیتی دنیا میں جموں کشمیر کے عوام کو اپنے مرتبے کا تعین کرنا پڑے گا۔ نئی راہیں تلاش کرنا پڑیں گی ،تاریکی کی تمام قوتوں کو مسترد کرنا پڑے گا ،ایک خوبصورت معاشرے کی تشکیل کی طرف بڑھنا پڑے گا ،قابضین سے ریاست کے چھٹکارے کے لئے تمام مذاہب اور فرقوں کو باہم جوڑنا پڑے گا ،قابض ملکوں کی بلاواسطہ کی لڑائی سے الگ کرنا پڑے گا اور یہ کام 80 فیصد سے زیادہ محرومیوں کے شکار عوام اپنے ہاتھ میں لینا ہوگا۔ انسانی آزادی اور انسانوں کے درمیان محبت جیسے آدرشوں کی حفاظت کے لئے جابروں کے بنائے نظام سے انکار کرنا ہوگا۔ اور یہ انکار وسیع تر عوام کی مزاحمت ہی آزادی، امن، روٹی اور انصاف کی شکل کر سکتی ہے اس کے سوا باقی سب راستے سراب جھوٹے اور غلط ہیں۔

آخری جیت سچائی کی ہوگی۔

اٹھو تم سب جو غلام نہیں ہو گے۔

" تاریخ گپ بازی اور ملمع کاری کا نا م تو نہیں ہوتا کہ جب چاہا اور جیسا چاہا رنگ و روغن کر لیا جائے اور پھر اس کی وراثت کے سنگھاسن پر تخت لگا لیا جائے۔ تاریخ اپنی حرکیات کے مطابق چلتی ہے۔ جبر اور طاقت کے پراپیگنڈے سے چیزوں کو چھپایا جا سکتا ہے، لوگوں کو گمراہ کیا جا سکتا ہے یا سچائی کو الجھنوں میں گوندھ کر لیپا پوتی کے ذریعے کچھ وقت کے لیے دھوکے کی نظر کر کے خوشیاں منائی جا سکتی ہیں لیکن واقعات کی بنیادوں اور حقائق کو نہ تو تباہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی سچائی کو مارا جا سکتا ہے۔"

(حبیب الرحمٰن)

پاکستان ایک تاریک قید خانہ

پاکستان ایک ایسا تاریک قید خانہ ہے جہاں انسان تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ہیں۔ جہاں سولیوں کے ذریعے سچائی پر کاربند انسانوں کا خون بہایا جاتا ہے۔ ہر طرح کی مدد سے محروم غلاموں کو سرتاپا زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے جہاں خدا کا نام بلند کرنے کے لیئے انسانی جسم کو شکنجوں میں جکڑ کر پیس دیا جاتا ہے جہاں ماؤں کی گودوں کو تہہ تیغ کر کے خالی کر دیا جاتا ہے جہاں معصوم شیر خوار بچوں کو نازک جسموں کو دونیم کر دیا جاتا ہے۔

اس قید خانے میں فاقہ زدہ انسانوں کے جسموں پر چیتھڑوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا بیماریوں میں مبتلا تڑپنے اور کراہنے والی انسانی مخلوق کا ایک انبوہ ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتا طوفان اور سیلابوں سے تباہ ہو جانے والے لاکھوں جھونپڑیوں کے مکین اپنے مال و املاک اور بچوں کی تیرتی لاشوں پر ماتم بھی نہیں کر سکتے۔ افسردہ اور کھیتوں کے سینے چیر کر روزی تلاش کرنے والے لاکھوں انسانوں کے جذبات کو روند کر عالم بالا کے نمائندوں نے ان ذبح کیے انسانی جسموں کے مینا بازار سجائے بیٹھے اپنی کامیابیوں پر اترانے سے تھمتے ہی نہیں۔

اس قید خانے کے سفاک وظالم سلاطین کا اپنی عیش کوشی پر قوموں کی قومیں قربان کرنا ایک معمولی سا مشغلہ ہے اور ان موذی جانوروں کے دانتوں سے ہر وقت غریب انسانوں کا خون ٹپکتا ہے۔ چھوٹی سی تعداد کے یہ سانپ اپنی سوچوں اور زبان میں زہر بھری تھیلیاں لیے ادھر اُدھر رینگ رہے ہیں۔

اس بندی وان میں طاقتور کا کمزور کو پامال کر دینا، مکر پہ صداقت، جھوٹ پہ سچائی اور اچھائی پہ بدی کی چادر چڑھائے چار سو قابض و غالب ہیں۔ اور یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے؟

اس قید خانے کے اہلِ عرفان مظلوموں کی چیخوں اور بے بسوں کی آہوں کو صبر کی پوٹلی میں لپیٹ کر فلک پر پہنچنے سے پہلے ہی روز وحساب تک انتظار کی سولی چڑھا دیتے ہیں۔ جب اس قید خانے کی تشکیل ہو رہی تھی تو تشکیل کرنے والے لیبارٹری کے منتظمین بڑی سمجھداری کا مظاہرہ کر رہے تھے کے یہ نیا قید خانہ کہیں کسی صاف راستے پر سفر نہ کر سکے بلکہ اس لیبارٹری کے بنائے گئے فارمولے نے اس کو ایک عقوبت خانے میں بدل دیا۔ اس قید خانے کے داروغوں نے اسے جنم دیتے وقت ہی پڑوسیوں کو یتیم کیا تھا جس کا سب سے پہلا شکار کشمیر کی ریاست بنی تھی کہ وہاں کے عوام کی جہد کے خلاف ایک منصفانہ جمہوری جدوجہد کو مذہبی نفرتوں میں بدلا تھا، خوراک کی کمی کا شکار پختونوں کو مالِ غنیمت کی وافر مقدار کی موجودگی کا خوشنما دھوکہ دیکر اس ریاست میں بھیجا تھا جنہوں نے نہتے کشمیری عوام کے معصوم اور بے گناہ لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ خوب رنگے تھے ان قبائلوں حملہ آوروں نے چرند و پرند، انسان اور حیوان کو بندوق کی نال پر لوٹ لیا تھا۔ عورتوں کی بہت بڑی عصمت ریزی کی گئی، ان کے بچے ان کی سنگینیوں کی نوک پر بلک بلک کر روتے رہے، نیلم و جہلم میں ماؤں نے خود کو ڈبو دینے سے پہلے اپنے شیر خوار بچے ان دریا کے نیلے پانی میں پھینک دیے تھے۔ یہ اس قید خانے کا پہلا دور تھا جس میں اس نے اپنے پڑوس کی پر امن ریاست کو تاراج کیا تھا۔

حامد میر!

تو کہ ناواقفِ آدابِ شہنشاہی ہے

19 اپریل 2014 کو کراچی کی سب سے معروف اور بڑی سڑک کے ایک کھلے چوک پر لکھ کر بولنے والے صحافی حامد میر کو گولیاں ماردی گئیں۔ گولیاں مارنے اور ان گولیوں کو چلانے کا فیصلہ کس نے کیا اس طرح کی باتوں کا پتہ چلانا پاکستان جیسے ملک میں شاید زیادہ آسان نہیں یا ادھر آسان ہے بھی تو پتہ چلانے والا خود بھی ان گولیوں کی زد میں ہوتا ہے۔ کسے یہ پڑی ہے کہ وہ پتہ چلاتا پھرے بندوق کی لبلبی پر رکھے ہاتھوں کے پیچھے کن سوچوں کی ہلچل ہے۔ پاکستان کی سلامتی اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کی وراثت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ سبھی اختلافی زبانوں کو بند کردیا جائے چاہے یہ زبانیں ماضی میں ہم راگ ہی کیوں نہ رہی ہوں۔

حامد میر !

ہر شاہی کے اپنے اپنے آداب ہوتے ہیں کہیں آداب بجالائے جاتے ہیں اور کہیں لا کے بجائے جاتے ہیں۔ کہیں اشارہ ابرو پہ ناچنا ہوتا ہے اور کہیں رقص زنجیر پہن کے بھی کیا جاتا ہے۔ جو یہ نہ کرے تو پھر وہ سزاوار ہی ہوتا ہے، ۔ گنہگاری اور بے گناہی کا میزان طاقتور قابض کی مرضی اور خواہش ہوتا ہے۔ ایسی کیفیت میں عدالتیں مکروفریب کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

حامد میر !

وارث میر نام کا ایک شخص بھی گزرا ہے جس نے عورت کو آدھا انسان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ انکار کی اس جرات پر بندوقوں والے اس پر بھی چڑھ دوڑے تھے اس خالی ہاتھ قلم کاغذ تھامے چاک گریباں چاک بداماں کو بندوقیں فتح نہیں کر سکی تھی۔ وہ شکست سے دوچار ہوئی تھیں اور وہ چاک بداماں شخص فتح یاب ہوا تھا، لیکن ظالموں کی اس سلطنت نے اس آدھی عورت جس کو وارث میر پورا انسان تسلیم کرتا تھا کو اس قدر تاراج کیا ہے کہ اب وہ آدھی بھی نہیں رہی۔

حامد میر !

اپنے اجداد کی جنم بھومی میں خون سے لتھڑی چیخوں کو سن سکے ہو یا نہیں مجھے اس کا نہیں پتہ لیکن مجھے اس پر مکمل یقین ہے کہ جس جنت کی کوکھ سے جنم لے کر اور جس کی گود میں جوان ہوئے ہو اس خاک بسر نے ان گولیوں کی تڑتڑاہٹ کا ضرور بتایا ہوگا کہ وہ خون کے کس دریا سے ڈوب کر اپنے جنم دینے والوں کے سوختہ جسموں کے ہجوم میں کیسے بچ گئی۔ جموں سے سیالکوٹ کے رستوں میں اس خون آشام بربریت کے ہاتھوں تاراج ہونے والوں کے معصوم لہو کے نشان پا آج بھی ہیں وہ رستے آج بھی اس سرخ لہو کے امین بھی ہیں اور گواہ بھی۔

مظلومیت کی گود میں پل کر جوان ہونے والوں کے ضمیر میں کہیں نہ کہیں ظلم سے نفرت اور انکار کا خمیر ہوتا ہے جس کا ثبوت بہت دفعہ دیکھنے میں آیا ہے شاید یہ ہی وجہ تھی کہ روشنی اور شعور سے منور بلوچوں کی جلی لاشیں آپ کو بیتاب کر گئیں اور آپ بول پڑے اور اس طرح کا بولنا جبر کی ریاستوں کو منظور نہیں ہوتا سو نہ ہوا۔ آپ بھی معتوب ٹھہرے یہ صرف آپ ہی نہیں بہت سے اور میر جو شاید آپ کے اجداد ہی تھے بھی ان خونی جبڑوں کا شکار ہوئے۔

1970 کی دہائی میں یہ میر پکڑے گئے تھے جرم ان کا صرف اتنا سا تھا کہ وہ اپنی قوم کی آزادی کے سوالوں پر غور کرتے تھے، ہمالیہ کے دامن کی خوبصورت جنت میں مستقل رہنے کے خواب دیکھنے کی جرات کرتے تھے۔ پھر چشم فلک نے یہ بھی دیکھا تھا کہ 16، 17 سال کے ہاشم اور اشرف کو کیسے لاہوری ایئرپورٹ سے گجرانوالہ تک یہ پرتپاک یاترا بھی کروائی گئی تھی پھر لمحہ بھر میں ہی وہ

انڈیا کے ایجنٹ قرار دے دیئے گئے تھے۔ پھر کیا تھا کراچی سے میر برادران امان اللہ خان ڈاکٹر فاروق حیدر سمیت کوئی 75 لوگ شاہی قلعے کی نظر کر دیئے گئے اور یہ دونوں جوان 16 سال شاہی قلعے کے عقوبت خانے میں زندہ درگور رہے باقی کے لوگ اذیت اور جبر کے کئی سال گذار کر جسمانی محرومیوں کے ساتھ باہر آئے یہ اپنی مظلومیت پر سوچتے تھے بات کرتے تھے۔ان کی نمائندگی چیتھڑوں میں ملبوس ایک شخص جس کو مقبول بٹ کے نام سے جانا جاتا ہے کر رہا تھا وہ بھی لاہور میں ایک اخبار کے دفتر سے بندی وان ہوا تھا اسے بھی ہندوستانی ایجنٹ قرار دے دیا گیا تھا اور اس کے دو کم عمر ساتھیوں ہاشم اور اشرف کو بانی بنگلا دیش بھی کہا گیا۔ پھر اسی مقبول بٹ کو فروری 1984 میں تہاڑ جیل ہندوستان میں پھانسی دے دی گئی یوں ہندوستان اور پاکستان کا یہ مشترکہ دشمن زندگی ہار گیا۔ خیر اب احاطہ لاہور کے خاک بدہن عبدالحمید دیوانی کی خاک بسر زندگی کے اختتام تک اس کی اذیت سے کچھ جانکاری تو ہوگی یہ بھی اسی ریاست کا معتوب تھا اور یہ جبر اور ظلم جاری رہا پاکستان کے دانشور لکھنے والے خاموش بھی تھے اور لاتعلق بھی۔

ججوں نے ان مقدمات میں کیا فیصلے دیئے ان کو بس دیکھا کیجئے بلکہ شوکت علی نام کے ایک جج نے جنگ فورم لاہور میں اپنے جرم کا اعتراف بھی یہ کہہ کر کر لیا تھا کہ میں نے شاہی قلعے میں قید کشمیری نوجوانوں کے خلاف فیصلہ انصاف پر مبنی نہیں دیا تھا اور اس مقدمے کو لڑنے والے ایک ڈاکٹر باسط نام کے وکیل کو مقدمہ لڑنے کے جرم میں تشدد کر کے اس بازو توڑ دیا گیا تھا شاہی قلعے میں قید ڈاکٹر فاروق حیدر کی جوان بیٹیوں کو قلعے میں لا کر انہیں کہا گیا کہ یہ تسلیم کرو کہ تم انڈیا کے ایجنٹ ہو ورنہ تمہاری بیٹیوں کی عصمتیں تمہارے سامنے لوٹ لی جائیں گی ایک باپ اس موقعے پہ کیا کر سکا ہوگا سوچ کے انسانی روح کانپ جاتی ہے۔

بہرحال یہ قیدی جب چھوٹے تو ان میں سے کوئی بھی سلامت نہ تھا کوئی اپنی مردانہ صلاحیت سے محروم تو کسی کی دماغی حالت عدم توازن کا شکار تھی اور کوئی ہیجانی کیفیت میں یاسیت اور مایوسی کی انت گہرائیوں میں ڈوب گیا چند ایک ہی خود کو دوبارہ سنبھال سکے جو اپنی قوم کی آزادی

کے گیت گانے باز نہیں آئے جن میں سب سے معتبر نام مقبول بٹ کا ہے جو پھانسی چڑھا، خالق انصاری مرحوم اور امان اللہ خان جو اپنی پیرانہ سالی کے باوجود ابھی تک بول رہا ہے۔

میر برادران سمیت سب گمنامی کی نظر ہو گئے صرف ہاشم قریشی واپس اپنی جنم بھومی میں چلا گیا ان میں سے بیشتر کے ساتھ ملاقات کا موقعہ ملا سب حزن و ملال کا شکار تھے اور یہ سب اس ریاست یعنی پاکستان کے ہاتھوں تاراج ہوئے اور کشمیر کی آزادی کی تحریک پر یہ سب سے طاقتور حملہ تھا جس کے بعد یہ تحریک واضح سمت اختیار نہ کر سکی۔

بات لمبی بھی ہوگئی اور تھوڑی سی بے ربط بھی اسی طرح ہونا تھا کیونکہ ہمارے جسموں سے خون کے قطرے ابھی تک ٹپک رہے ہیں۔ آپ پر حملہ کوئی نئی بات نہیں نہ ہی میں حیران ہوا، میں اپنے دوستوں کو بہت پہلے کہہ چکا تھا کہ حامد میر کی خبر کم ہی لگتی ہے۔ آپ کو گولیاں کس نے ماری، کتنی ماری یہ سوال غیر ضروری ہے اس ظالم سلطنت کے ہاتھ بے گناہوں اور معصوموں کے خون سے اس قدر رنگین ہیں کہ اب ہاتھوں کا گمان ہی ختم ہو گیا ہے۔ اس سلطنت کے بادشاہ گر زندگی اور حالات نہیں نسل بدلتے ہیں، ان کی جو مظلومیت پہ سوال اٹھا لیں۔

زندگی سے محروم کر دینا ان کے معمول کے مشاغل سے ایک مشغلہ ہے۔ سو اس مشغلے کا آپ بھی شکار ہوء۔ یہ باتیں تو میں نے وہ لکھی ہیں جو ہم پہ بیت گئیں لیکن اگر اس ریاست کے اپنے عوام کے ساتھ سلوک سے تو جانے کتنی بیاضیں بھر جائیں۔ کشمیر پر حملے سے لے کر بلوچوں کے قتل عام تک حسن ناصر اور نظیر عباسی کے قتل سے لے کر بھٹو کی پھانسی سے گذرتے ہوئے اکبر بگٹی پر بارود برسانے کے فریضہ کے بعد ایک نہتی عورت بے نظیر کو لاکھوں کے مجمعے سے بھری سڑک پر گولی مار دینا۔

انسانی خون کو پینے والے ان بہادروں نے اور کتنے پاپ کیے ہیں تاریخ کے اوراق اس سب سے بھرے پڑے ہیں صرف گواہ نہیں نہ ہی کوئی عدالت اور نہ ہی منصف۔

آپ پر حملے کے بعد عجیب مناظر دیکھنے کو ملے۔ آپ کے قبیلے (صحافیوں) کے ایک حصے

نے تو آپ کو غدار ابن غدار قرار دے کر یہ بھی کہا کہ ہجرت کر جائیں کسی دوسری ملک کی شہریت لے لیں۔ جانے اس دوسرے ملک سے ان کی کیا مراد ہے؟۔ دبیز پردوں میں لپٹے
ہدایت کاروں نے اپنی مرضی کی راہ راستی پر نہ آنے والوں کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ دیکھا کرے کوئی۔

اس ملک میں شہیدوں اور غداروں کی فیکٹریاں ہیں، روز ایک نیا شہید اور غدار تراش لیا جاتا ہے۔ آپ کا میڈیا صبح دوپہر شام فاقہ کش انبوہ کو جھوٹ کی ایسی خوارکیں پلاتا ہے کہ یہ فاقہ کش اب تو سچ جاننے کے خواہشمند ہی نہیں رہے۔ باریش چہروں کی قیادت میں ایسی ہاہا کار مچی ہے کے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ قصر شاہی کے بطن سے جنم لینے والی آوازوں نے بھگوان اور یزداں کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا ہے۔ جانے کتنی لہو کی بہاریں اور چاہییں اور جانے کتنے انسانوں کے خون سے یہ اشنان کر کے پوتر ہونا چاہتے ہیں ان کے خونی جبڑوں کو انسانی خون لگ گیا ہے جو تقدیس کے لبادے میں ہر اس آواز کو قتل کر دینا چاہتے ہیں جو ان کے کانوں کو ناگوار گذرے، آپ کو گولیاں ماردی گئیں یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے بلکہ ان کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ گولیاں چلانے والے کچھ ناموں پر شک کا اظہار کیوں کیا،۔ برحال آپ کی اس جرات پر کوئی نہ کوئی اور سزا انہوں نے آپ کے لیے ضرور تجویز کر رکھی ہوگی بقول حبیب جالب'' گمان ان کو رستہ کٹ رہا ہے یقین مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہیں'' اپنی مٹی کی طرف لوگ جائیں یہ ہی اس خون آشام مٹی کی پکار بھی ہے اور خون ٹپکتے جسموں کی آواز بھی۔

برصغیر کا بٹوارہ اور جموں کشمیر کے زخم

تاریخ نہ صرف آواز دیتی ہے بلکہ چیخ و پکار بھی کرتی ہے اس کی چیخ و پکار کو بدلتے وقت کیساتھ نہ سنا جائے تو تاریخ کا انتقام لینا لازم ٹھہر جاتا ہے تاریخ کے اس انتقام میں وہ فرض بھی ادا کرنے پڑھ جاتے ہیں۔ عام حالات میں جن کی واجبی نہیں ہوتی۔ تذبذب بے یقینی ہیجان اور نہ سمجھ آنے والے واقعات کا تسلسل خوفناک المیوں کا شکار کر جاتا ہے۔ تاج برطانیہ جب اپنے لشکر برصغیر سے سمیٹ رہا تھا تو ساتھ ہی وہ اس کا انتظام بھی کر رہا تھا کہ ان کے کوچ کر جانے کے بعد اس خطے میں پرسکون زندگی کا تصور ایک تنازعے کے علاوہ کچھ نہ ہو چنانچہ تقسیم کے زخموں نے جہاں ایک طرف اذیت اور ایذا رسانیوں کی داستانیں رقم کیں کہ وہاں ہی پر سارے موسموں کی اس دھرتی کے خمیر سے جنم لینے والوں نے ایک دوسرے کو ہندو اور مسلمان قرار دے کر جس بے رحمی سے خود کو قتل کیا اپنی ہی بہو بیٹیوں کو تار تار کیا صدیوں سے مل جل کر رہنے والوں نے خدا اور بھگوان کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے خون کے دریا بہا دیئے اور خون کے ان دریاؤں میں اشنان کرنا ہر دو جانب واجب ٹھرا مبادا کہ ان سب کی جنت کا دروازہ انسانی خون سے انسان کے بعد ہی کھلتا ہے خدا اور یزداں راضی ہوئے یا نہیں لیکن برصغیر درد کی چیخوں سے لت پت تقسیم کی لیکروں کے زخموں سے آج تک کراہ رہا ہے اور ہر دو جانب نمک چھڑکا وبڑے اہتمام سے جاری ہے مبادا زخم بھر نہ جائے تا۔ ج برطانیہ نے اپنے جانشین مقرر کرتے وقت اس بات کا بہت خیال رکھا کہ کوئی ایسا شخص جانشینی کے منصب پر فائز نہ ہو سکے جو انسانیت کی معراج کو تسلیم کرتا ہو۔

جانشینی کا معیار ماضی کی وفاداری اور اپنے عوام کی دشمنی ٹھہرا جنہوں نے برطانوی سرکار کی مذمت اپنے ہی بھائی ہندوؤں پر جبر ظلم اور غلامی کو مسلط کئے رکھنے کیلئے کی تھی۔ برطانوی سرکار کے ان جانشینوں نے اس خطے کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ تقسیم کے گھناؤنے عمل سے برآمد ہونے والی ہر دو ریاستوں (پاکستان، بھارت) نے بدنیتی سے مفادات کا اتنا خوبصورتی سے تحفظ کیا کہ پورے برصغیر کے عوام چیخ کے رہ گئے لیکن یہ چیخیں پہاڑوں اور صحراؤں کی کوک بن کر بحر ہند میں غرقاب ہو گئیں۔ تقسیم کے ان دلالوں نے کشمیر کے عوام کی بنیادی حقوق اور جمہوری طرز حکومت کے اختیار کرنے کے مطالبات کی تحریک کو خدا اور بھگوان میں تقسیم کر کے کشمیری عوام کو اس گہرے الاؤ میں دھکیل دیا جس سے نصف صدی ہونے کو ہے باہر نہیں نکلا جا سکا باوجود اس کے کہ برصغیر کی تقسیم کے عمل سے کشمیر کی ریاست کا کوئی خاص تعلق اور واسطہ نہ تھا اور نہ ہی یہ ریاست اس تقسیم کا اس طرح حصہ تھی جس طرح متحدہ ہندوستان کی باقی ریاستیں تھیں۔ کم یا زیادہ اس ریاست کے پاس اپنا ایک طرز حکومت تھا جس میں بہت کمزوریاں تو موجود تھیں لیکن ایک ڈھانچہ موجود تھا جس کو بہتر کیا جا سکتا تھا یا بہتر کیا جا رہا تھا لیکن اندھی عقیدت کے ہاتھوں یرغمال عوام کو ان حیلہ بازوں نے لوٹ لیا۔ لوٹ کے اس بازار کو ہر دو طرف کے طالع آزماؤں نے ابدی زندگی یا پھر ایک نئے جنم کی نوید کے ساتھ گایا کشمیر کی اس وقت قیادت میں چند ہی رہنما تھے جو اس کو دور رس دیکھ سکتے تھے باقی راہنماؤں کی اکثریت دور اندیشی سے نابلد ناپختہ سیاسی علم رکھنے والے ہوش مندوں پر حاوی کر دیئے گئے۔ روٹی کی تلاش میں سرگرداں غریب پختونوں کے ہاتھوں میں بندوقیں دیکر جہلم پار روانہ کر دیا گیا ان سپاہیوں نے کسی ذی روح کو نہیں بخشا انسان جانور چرند پرند سب ان کی ہوس کا نشانہ بنے املاک کو جلا دیا گیا معصوم بچوں عورتوں تک زندہ جلا دیا گیا جہلم و نیلم کا سنگم گواہ ہے کہ اس باوقار دھرتی کی ماؤں نے پہلے شیر خوار بچوں کو ان دو دریاؤں کے حوالے کیا اور خود بھی ڈوب گئیں۔ اس ظلم پر چشم فلک بھی نہیں چھپکی نہ کوئی دیوی کہیں سے اتری جوان بندوقوں کو روک سکتی۔ جنت کے متلاشی برسوں بربریت برپا کرتے رہے مظلوموں کی

چیچنیں فردوس کے پہاڑوں سے ٹکرا کے بے جان ہوگئیں بالکل اسی طرح دوسرے کنارے پر بھی عصمتوں کو تار کرنے والا کھیل بھگوان کے دیوداس اسی طرح برپا کیے ہوئے تھے۔ بھگوان اور خدا کے ان ماننے والوں نے کشمیر کے سارے نیلے دریا معصوموں بے گناہ انسانوں کے خون سے سرخ کر دیئے تھے۔

آگ اور خون میں جلتی اس ریاست کو تقسیم کر دیا گیا عقل وشعور سے عاری مقامی گماشتوں کو اس ریاست پر مسلط کر دیا گیا ان گماشتوں نے زرخرید غلاموں کیلئے وضع کردہ اصولوں کے تحت وہ سارے فرائض ادا کئے جو کشمیری عوام کو خوفزدہ کر کے زنجیروں میں جھکڑے جانے کیلئے ضروری تھے ان کم ظرف گماشتوں نے نہ صرف فکری نظری ابہام پیدا کئے بلکہ ریاست کے وسائل اس کے سماجی ومعاشی ڈھانچے کو بری طرح تباہ کر کے اس کی غلامی جبر استحصال ذلت و بربادی کی مادی اور ثقافتی بنیادیں مہیا کیں۔

عوام کے دلوں میں موجود محبت کے جذبوں کو پامال کر کے رکھ دیا اور روزانہ کی بنیاد پر نفرت کی غذا الاتعلقی کے شہد کے ساتھ دینے کا عمل شروع ہوا جو ہنوز جاری ہے۔ بحر ہند کے اس پار کے رویوں کو بہتر بدف نسخے کے طور پر تازہ دم کمک بھی دیتے آرہے ہیں کہ مبادا کوئی درست سوچنا نہ شروع کر دے ابدی زندگی میں خوشیوں کے حصول کیلئے کارخانے قائم کر دیئے گئے جن میں اس خوش نما زندگی کے خواہش مندوں کو صلیبوں پر چڑھا دیا گیا صرف وہی صلیب پہ ہی نہیں چڑھے بلکہ اس ایندھن میں عوام کی ایک بڑی اکثریت کو بھی دھکیل دیا جن کے جلتے ہوئے جسموں کے شعلے بھڑکتے ہی جارہے ہیں اور دوسری طرف (سیکولرازم) رواداری کے نام پر فرمانبرداری کا تریاق تیار کرنے والی ملوں سے جمہوریت کے راگ الاپے جارہے ہیں اور یہ وہ راگ ہیں جو ابھی تک سنے ہی نہیں گئے۔ اندھیروں کے ان ہردوطرف کے راہبروں نے اپنے اپنے آقاؤں کی خوشنودی کیلئے اس ریاست کی بچی کھچی شکل کو بھی بگاڑ کے رکھ دیا۔

ریاست کی تقسیم کو ایک سال بھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ پاکستان کی حکمران انتظامیہ نے

ریاست کے اس حصے کو مزید تقسیم کر دیا تیز دھار خنجر کے ذریعے گلگت بلتستان کو براہ راست اپنے کنٹرول میں لے لیا ان کی بنیادی آزادیاں کو ختم کر دیا گیا جو ہنوز جاری ہے جس میں صرف فرقہ وارانہ واریت کا اضافہ کر کے باہمی میل جول کے رویوں کو اس آگ کے شعلوں میں راکھ کر دیا گیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف بھارتی اشرافیہ نے چند ہی سالوں میں ریاست کے تاریخی سیاسی ڈھانچے کو تاراج کر کے پہلے سے موجود فرمانبرداروں پر فوری نوعیت کے زیادہ وفاداروں کو اپنے کندھوں پہ بٹھا کر ریاست کی سیاسی ہیت اور ڈھانچے کو ختم کر کے پرانے چاہنے والوں کو بندی وان کر دیا تھا۔ نفرت بھرے محبت کے اس نئے سنگھاسن نے بربادیوں کے راستے کا انتخاب کر لیا جس پہ ہنوز سفر جاری ہے۔

انٹرویو

حبیب الرحمان (ممبر انٹرنیشنل کمیٹی جموں کشمیر پیپلز نیشنل پارٹی)

انٹرویو کنندہ: ساحل ایاز سندھی جنرلسٹ

تاریخ:2015-08-15

کشمیر کی سرزمین میں ایک عجیب الجھی ہوئی سرزمین ہے جس کے چاروں جانب محبت ہی محبت نظر آتی ہے یعنی محبتوں کی امین سرزمین اور ساتھ ہی خون سے بھری اس کی تاریخ بھی ہے۔ کشمیر کی سرزمین پر ایک طویل اور تاریک جنگ جاری ہے اور کئی نسلوں نے گولیوں اور بارود کے ڈھیر پر بیٹھے زندگی گذاری ہے یعنی ان نسلوں نے اپنے خوابوں کی انسانی خون کے دریاؤں میں ڈوبتے دیکھا ہے۔

کشمیر کے مسئلے کے حل نہ ہونے کے یوں تو بے شمار اسباب ہیں جو اندرونی، علاقائی کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی بھی ہیں جن کے باعث یہ سوال حل ہونے کی طرف نہیں جا رہا۔ بدلتی دنیا میں خونی تبدیلیوں کے باوجود کشمیر کے حالات جوں کے توں ہیں اس ساری صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے اپنے موقف پر سختی سے قائم رہنے اور جارحانہ رویہ رکھنے کی شہرت پانے والے کشمیری رہنما حبیب الرحمٰن سے ملاقات کا اہتمام کیا اس ملاقات میں ہونے والی گفتگو کو آپ کی نذر کر رہے ہیں۔

انٹرویو کے دوران ہمیں ریکارڈنگ سے روک دیا گیا بحرحال ایک انتہائی خوبصورت

نشست ہوئی۔

راجہ حبیب الرحمٰن کشمیر کی بائیں بازو کی ایک پارٹی جموں کشمیر پیپلز نیشنل پارٹی کے انٹرنیشنل کمیٹی کے ممبر کے ساتھ ساتھ مرکزی کمیٹی کے ممبر اور زونل سیکریٹری جنرل بھی ہیں واضح رہے کہ پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں جموں کشمیر پیپلز نیشنل پارٹی کو واحد ترقی پسند پارٹی سمجھا جاتا ہے جو کمیونسٹ نظریات پر یقین رکھتی ہے جو ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کو قابض قرار دیتی ہے۔

سوال: کشمیر کی سیاست میں آپ بہت متحرک رہتے ہیں اور برصغیر کی مجموعی سیاست اور کشمیر کی صورتحال کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟

جواب: یہ بہت وسیع سوال ہے اور اتنے وسیع سوال کے تناظر میں برصغیر کی سیاست کے ہر اقدام پر نہیں بولا جا سکتا اگر آپ راضی ہوں تو میں صرف یہاں کے لوگوں کے متعلق بولوں کہ یہاں غلامانہ طرز کی سوچ حاوی رہی ہے اور حکمرانی کرنے والی قوتیں خواہ وہ وسط ایشائی حملہ آور تھے، انگریز یا ان کے جانے کے بعد ان کے فرمانبردار سبھی نے برصغیر میں غلامانہ سوچ کی جڑوں کو بڑا گہرا پیوست کیا ہے اور برصغیر کا یہ حصہ جسے پاکستان کہتے ہیں نے تو غلامانہ زندگی گذارنے کا ایک منظّم اصول وضع کر لیا ہے کہ عوام پر سختیاں اور جبر مسلط رکھو۔ یہ بدیشی حکمرانوں کو لوٹ مار کا پورا موقع فراہم کر رہے ہیں۔ کسی قوم کو اس کی شناخت دینے ان کی تاریخی حیثیت کو تسلیم کرنے سے انکاری اس طبقے نے عربوں کی تہذیب ثقافت اور عرب قبائل کی روایات کو یہاں کے عوام پر مسلط کر کے ان کو بے بس کر دیا ہے اور یہ سب وہ تقدس کے تمام پہلوؤں کی روشنی میں کرتے ہیں ۔بحر حال غلامی کا طرز فکر اور اس کے اسباب یہاں زیادہ رہے ہیں جس نے اس سب کو تسلیم کرنے سے انکار کیا وہ مجرم ٹھرا، تاریخی سچائیوں کی کوئی گنجائش نہیں یا تو جبر کو فلک کا لکھا تسلیم کرو ورنہ برباد ہو جاؤ۔

سوال: تو پھر آپ گاندھی اور قائداعظم کو کیسے دیکھتے ہیں؟

جواب: ''مسکراتے ہوئے'' آپ کو اندازہ نہیں کہ یہ دونوں کیا تھے بڑی سادہ سی بات ہے کہ گاندھی انسانوں کے آدمی ہونے کا کہتا تھا جبکہ جناح تو انگریزوں کا اپنا آدمی تھا اس کا اس خطے کے انسانوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

سوال: کشمیر کی آزادی کی تحریک پر آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: کشمیر میں ایک سچی اور حقیقی آزادی کی تحریک کا آغاز ہوا نہیں تو اس کو دیکھا کیسے جائے؟ یہاں تو آزادی کی تحریک کے نام پر مذاہب کو باہم لڑایا گیا۔ دونوں ملکوں کے حکمران طبقات نے اپنے تنخواہ دار لوگوں کے ذریعے کشمیر کے حسین اور خوبصورت لوگوں کی باہمی محبت کا قتل عام کیا ہے۔ مذاہب قوموں کی آزادی کی تحریکوں کی رہنمائی نہیں کر سکتے۔

سوال: مذہب کو آزادی کی تحریک میں کون لایا؟

جواب: یہ بہت گہرا باریک اور الجھا ہوا سوال ہے۔ اب میں کیا کہوں کہ مذہب کو کون آزادی کی تحریک میں لایا ؟ اس کا جواب تو وہی زیادہ بہتر دے سکتے ہیں جو اس کھیل کے تجربہ کار کارندے ہیں اور انسانی کشت وخون میں ماہر ہیں۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ کشمیری عوام مذہب کو آزادی کی تحریک میں نہیں لائے اور نہ وہ اس پر یقین رکھتے ہیں۔ کشمیریوں میں مذہبی رواداری بہت زیادہ ہے، شاید برصغیر کے سب علاقوں سے زیادہ۔ لیکن کشمیری عوام کی معصومیت نے ان کے مظلومیت میں بے انتہا اضافہ کر دیا۔

سوال: 1947 میں ہندوستان اور پاکستان دو ملک مذہبی بنیادوں پر قائم ہوئے تو لامحالہ کشمیر بھی اس سے باہر تو نہیں رہ سکتا تھا؟

جواب: 1947 میں دنیا بھر میں آزادی کی تحریکیں چل رہی تھیں دوسری عالمی جنگ کے بعد یورپ کے قبضہ گیروں کا جانا ٹھہر گیا تھا انگریزوں نے جانے سے پہلے اس پر بہت غور کر کے تقسیم کو عملی جامہ پہنایا۔ ہندو مسلم تنازعہ اس لیئے نہیں ہوا کہ وہ کوئی دو الگ الگ مذاہب سے تعلق رکھتے تھے بلکہ یہ تنازعہ تو نوکریاں اور عہدے نہ ملنے کی مایوسی کا ردعمل تھا جس کا مسلمان زیادہ شکار تھے اور اس

مایوسی کو 1906 میں مسلمان جاگیرداروں کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر دور
کرنے کے دعوے کے ساتھ اس تنازعے کا سیاسی جواز مہیا کیا گیا۔ اس پورے کھیل کا تو عام مسلمانوں کو پتہ بھی نہیں تھا خدا کی مملکت میں ان مسلمانوں کے ساتھ کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے؟ یہ لمحہ لمحہ نظر آ رہا ہے۔ بہرحال برصغیر کی تقسیم طے شدہ تھی اور انگریز یہاں سے چلا گیا۔ جانے کے بعد ہندوستان میں اس نے عمل دخل کم رکھا لیکن پاکستان کو غلام بنا کے رکھا ہوا ہے اور یہ غلام پاکستان اپنے سے کمزوں کے خون پر پل رہا ہے۔ انسانوں کے خون پیتے پاکستان کو آپ بلوچستان، پختون خوا سمیت کشمیر میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ جب اس طرح کی ریاستیں وجود میں آتی ہیں تو ان کا لازمی نتیجہ بربادی ہوتا ہے۔

سوال: آپ کشمیر کو بدقسمت سمجھتے ہیں یا خوش قسمت؟

جواب: تاریخی پراسس میں کشمیریوں کے ساتھ جو کچھ ہوا یا کشمیریوں نے جو کچھ کیا اس کو ذہن میں رکھ کر کشمیریوں کو معلوم ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

سوال: کشمیر کا مستقبل آپ کو کیا دکھائی دیتا ہے؟

جواب: کشمیر کے عوام یقیناً اپنے کھوئے ہوئے مرتبے کو ضرور پائیں گے یہ کہنا میرے لیئے مشکل ہے کہ کب آزادی سے ہمکنار ہونگے۔! بہت جلد تو بہرحال نہیں۔ تحریک کو مسخ کر دیا گیا ہے عوامی شمولیت کوئی تیسرے چوتھے درجے پر چلی گئی ہے فی الحال تو دونوں قابض ملکوں کا طوطی بول رہا ہے ان کی بندوقیں ہیں اور ہمارے نہتے عوام، ان کے بم ہیں ہماری مظلومیت ان کی چرب زبانی مکاری اور چالاکی ہماری معصومیت یوں بھی ان دونوں ملکوں کو وفادار فرمانبرداروں کی ایک بڑی تعداد میسر ہے، جن کے ذریعے وہ ہمارے اوپر جبر کے اندھیرے مسلط کیئے ہوئے ہیں۔ جلد یا بدیر ایک سچی قیادت ابھرے گی جو سارے عوام کو آپس میں جوڑ دے گی اور وہی ایک سچی آزادی کی ضامن بنے گی۔ فی الحال تو صورتحال کوئی زیادہ کامیابی کی طرف جاتی نظر نہیں آتی۔

سوال: جولائی 1988ع کے بعد کشمیر میں ایک بڑی عوامی تحریک دیکھی جا رہی ہے آپ کیا محسوس

کرتے ہیں؟

جواب: محسوس تو کئی چیزیں کر رہا ہوں اور نہیں جانتا کہ اس محسوسات کو کہاں تک محدود رکھوں جو ہم یعنی عوام چاہتے ہیں یہ دونوں ملک دینا نہیں چاہتے۔ ہر دو طرف سے وہ مارنے اور برباد کرنے پر یقین رکھتے ہیں ان دونوں ملکوں کو یہ ماننا پڑ رہا ہے کہ کشمیری عوام کے اندر آزادی کی شدید خواہش ہے۔ جب یہ اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں اس کی حدت بڑھتی ہے تو کشمیریوں کی گرمائش میں اضافہ ہوتا ہے تو ان کا جبر بھی بڑھ جاتا ہے۔ سازش مکاری چالاکی کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔ جب عوام آپس میں جڑنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ دونوں ملک مذہبی نفرتوں کو ہوا دیتے ہیں اپنے کارندوں کے ذریعے فسادات کروا دیتے ہیں۔ مندروں اور مسجدوں میں مورچے لگوا دیتے ہیں جبکہ اس طرف یعنی آزاد کشمیر اور گلگت (ہنستے ہوئے اگر یہ آزاد ہیں تو) میں ایک شخص کے طور پر بھی عزت نفس نہیں۔ قحبہ خانہ کی سطح کا وقار اور مرتبہ نہیں کہ اس طرح کے اڈے چلانے والوں کے بھی کچھ قواعد و ضوابط اور اصول ہوتے ہیں (باوجود اس کے کہ وہ آپ کو پسند نہیں ہیں) لیکن ان ٹوڈی پروردوں کا دلال سے بھی کم رتبہ ہے۔ یوں سمجھئے کہ جانور کو بھی اگر کسی جگہ جانے سے روکا جائے تو ایک دو بار کے تجربے سے وہ بھی سیکھ جاتا ہے پھر اس طرف نہیں جاتا لیکن گلگت اور مظفر آباد کے دربان ان درباروں سے بار بار سوا ہو کر آئے ہیں اور آئے روز ہوتے ہیں لیکن مجال ان کو کوئی شرمندگی ہوتی ہو۔ یہ کوتا قامت تو اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ اپنے مالکوں سے بخششیں ہی لے لیں ان کا سب زور اس بات پہ ہے کہ عوام کو الجھا کے رکھا جائے، ظاہر ہے اس الجھی ہوئی کیفیت میں یہ اپنے آقاؤں کی خدمت زیادہ بہتر انداز میں کر سکتے ہیں۔

رہا سوال 1988 سے شروع ہوئے ابھار کا تو پہلے یہ طے کرنا پڑے گا کہ یہ کوئی تحریک تھی کہ نہیں اور اگر تھی تو اس کے خدوخال کیا تھے اس میں جموں اور لداخ کے عوام کی شرکت کس سطح کی تھی یا یہ کہ یہ صرف مسلمانوں کا غیر مسلموں کے خلاف کوئی عمل تھا۔

اس عمل کو شروع کرنے والے تو باقاعدگی سے یہ مان چکے ہیں کہ آئی ایس آئی کے ساتھ

سازباز کر کے اس کی شروعات کی گئی تھی، یہاں تک کہ وہ ان کی مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں بھی بیٹھنا چاہتے تھے۔ بہرحال یہ کشمیر کی مکمل نمائندگی نہیں کرتے تھے ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ کشمیری مسلمانوں کی کافروں کے خلاف ایک مہم تھی جس میں بے شمار انسانی جانوں کا جانا بچوں کے یتیم ہونے اور خواتین کو بے آبرو کرنے کا سبب تو بنا لیکن ایک لاکھ کے قریب زندگی ہار جانے کے باوجود اس کو کوئی اس سے زیادہ تسلیم نہیں کر سکا کہ یہ ایک مذہب کے ماننے ولاوں کی دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے خلاف لڑائی ہے۔ اب حال ہی میں جموں، سرینگر اور لداخ میں ہونے والے انتخابات کے نتائج نے تو کھلے عام یہ ثابت کر دیا کہ ریاست کے ہندوستانی حصے میں عوامی سطح پر کتنی مذہبی نفرت ہے۔ ایسی کیفیت میں آپ کیا پیشن گوئی کر سکتے ہیں بس یہی کہ یہ ذہنی تقسیم کہیں جغرافیہ تقسیم نہ بن جائے۔ جبکہ اس طرف یعنی پاکستانی حصے میں تو پاکستان کی پارٹیوں نے براہ راست کنٹرول حاصل کیا ہوا ہے، سونے پہ سہاگہ یہ کہ فوج کی چھوٹی بڑی چھاونیاں دہرا کنٹرول رکھتی ہیں۔ بلکہ اس طرف کے عوام کو غلامی میں زندگی گذارنے کے فیوض و برکات سے بھی روشناس کروایا جاتا ہے، جبکہ قوم پرست گروپوں کے مسائل ہی دوسرے ہیں جن کی زندگی مسلسل خطرات سے دوچار ہے وہ یہاں سے بھاگ بھاگ کر یورپ کے ملکوں میں پناہ گیر بن جاتے ہیں اور کچھ ہی عرصہ بعد مالی استحکام حاصل ہو جانے پر وہ بھی پاکستان کے ارباب اختیار کی آنکھ کا تارا بن جاتے ہیں سو ایسی صورتحال میں کونسی تحریک اور کون سا مستقبل۔ ہاں کچھ گروپ ایک یا دو چھوٹی چھوٹی جماعتیں بہتر سوچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن وہ اپنے حجم اور سکہ بند صورتحال کی وجہ سے آگے بڑھ نہیں پا رہے ہیں جو اس خلا کو پر کر سکیں قومی تحریکیں وسیع تر عوامی تحریکیں ہوتی ہیں عوام صرف مسلمان نہیں ہوتے۔

سوال: آپ ماضی کو سامنے رکھتے ہوئے حال میں کسی تبدیلی کو دیکھتے ہیں؟

جواب: ہاں ایک بڑا ذہنی ابھار ہے نوجوانوں کے اندر اپنی سرزمین سے محبت کے جذبات زیادہ ابھرے ہیں۔ ماضی میں خودمختیار کشمیر کا نام لینا نہ صرف غداری بلکہ کفر تھا لیکن آج صورتحال بہت

تبدیل ہو چکی ہے۔آج عوام خود مختیاری سے آگے انقلاب کی بات بھی کر رہے ہیں اور طبقاتی تفریق اور جدوجہد پر بھی بحث ہو رہی ہے۔ایک بڑا خام مال دستیاب ہے یہ تو پھر ان تنظیموں کی صلاحیت پر منحصر ہے کہ ٹھوس انداز میں اس سب کو جوڑ کر ایک مزاحمتی تحریک کی شکل دے سکتے ہیں کہ نہیں؟ یہ ان کی محنت اور شعور کا امتحان ہے۔ابھی شاید ان میں اتنی تنظیمی قوت نہیں ہے کہ سب کو جوڑ سکیں یا جذب کر سکیں لیکن کبھی کسی کو تو یہ کرنا پڑے گا۔اگر یہ اسی طرح فرقے اور قبلیوں برادریوں تعصّبات میں الجھے رہے تو مٹ جائیں گے۔

سوال: تو اس کا مطلب ہے کہ آپ قیادت کا کسی حد تک خلا محسوس کرتے ہیں اس صورتحال میں آپ کشمیر میں کوئی حقیقی عوامی تحریک بنتی دیکھ رہے ہیں؟

جواب: پہلے کے مقابلے میں بہت فرق ہے چیزیں تبدیل ہو رہی ہیں عوام کے ذہنوں میں سوالات اور انتشار ہے عوام اس غلامانہ زندگی سے نفرت کرتے ہیں جس طرح 1947 میں ریاستی جبر سے نفرت کر کے سیاسی نظام بدلنے کے لیئے باہر نکلے لیکن اس کی حاصلات میں دھرتی کی تقسیم خاندانوں کا عمر بھر کے لیئے بچھڑ جانا دربدری اور دوسروں کی چاکری جیسی ذلت آمیز زندگی ملی اور آج اس تجربہ کو سامنے رکھ کر وہ فوری طور پر کسی بڑی تحریک کا شاید جلد حصہ نہ بنیں لیکن وہ یہ صورتحال نہیں چاہتے جس میں وہ رہ رہے ہیں اس کو وہ بدلنا چاہتے ہیں۔جبکہ دوسری طرف طاقت ہے وسائل ہیں فوج ہے چاہے وہ اس طرف کی ہے یا اس طرف کی جبکہ ہمارے پاس آزادی کی سوچ شعور تدبر اور فراست ہے اور عوام کی ہمدردیاں جو شاید ابھی میٹریل شکل میں اپنا اظہار نہیں کر رہی۔ہم کشمیر کے تینوں حصوں میں پابندیوں میں رہ رہے ہیں اذیت ناک جبر ہے قابضین کے پاس قید کرنے اٹھا لے جانے اور قتل کرنے کا اختیار بھی ہے اور طاقت بھی جس کا وہ سیاسی معاشی، معاشرتی اور تعلیمی ہر سطح پر بے دریغ استعمال کرتے ہیں بچوں کو جماعت اسلامی طرز کی تنظیموں کی سرپرستی میں دے کر حب الوطنی سرزمین سے فطری محبت اور اپنے عوام سے وفاداری کے قدرتی رویوں اور جذبوں کو چھین رہے ہیں عرب اور وسط ایشیائی حملہ آوروں کی مدائی سرائی کے گیت یاد

کروائے جاتے ہیں ان کو آزادی سے نفرت اور غلامی کو قبول کروانے کے لیئے زہر میں گڑ ملا کر کھلا رہے ہیں جس سے ذہنی انتشار بڑھ رہا ہے لیکن ان کی یہی طاقت ان کی کمزوری ہے۔ ان کی یہ خونخواری ان کی موت ہوگی۔ وہ وقت آئے گا کہ ہم زیادہ طاقت میں ہونگے۔ اس طاقت کی بہت سخت ضرورت ہے اس طاقت کو اگر جلد حاصل نہ کیا گیا یعنی عوام لڑنے کے لیئے نہ نکلے یا بہت دیر کی تو ہمیں بحیثیت مجموعی بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ ہم اقلیت میں چلے جائیں گے کرسیوں پر نئے آقا بیٹھے ہونگے اور ہم خدمت پر ماموران کے چوبدار۔ ہمیں سوچنا پڑے گا ایک ہو جانے کا، مل کر چلنے کا، دو مختلف کیفیت اور نوعیت کے قابض دشمنوں کی طاقت کا تجزیہ کر کے اس کو سمجھ کر کے آزادی کے لیئے مرنا پڑے گا بصورت دیگر نہ شناخت اور نہ وقار۔ کشمیر کے تینوں حصے کی قیادت کو جو کم از کم اپنی آزادی، وقار اور معاشرتی انصاف تسلیم کرتے ہیں کو تفکر کر کے متحرک ہونا ہوگا۔ ایک بڑا محاذ یا اتحاد بنانا ہوگا قابضین بحرحال مضبوط ہیں ان کے پاس موثر پراپیگنڈہ کرنے کے وسائل بھی ہیں اور آلات بھی۔ کم تعلیم یافتہ کشمیری شاید ریاضی اور کیمسٹری پر عبور نہیں رکھتا لیکن اپنی تاریخ جانتا ہے اپنی شناخت پر فخر بھی کرتا ہے۔ ابدالی، محمد بن قاسم، بابر جناح اور کرم چند گاندھی ہماری شناخت نہیں ہیں یہاں تک کہ مسلمان ہونا بھی ہماری شناخت نہیں۔ ہم سب سے پہلے اس سرزمین کے فرزند ہیں اور مفلوک الحال عوام کے بیٹے اس کے بعد آپ مسلمان ہیں، ہندو، بدھ یا عیسائی، ہاں ہمارا نام کشمیر ہے لیکن کسی کشمیری کے اختیار میں نہیں۔ ہمیں اختیار نہیں کہ ہم اپنے بچوں کو اپنی تاریخ اپنی زبان، تمدن تہذیب و ثقافت کی تعلیم دے سکیں اپنے وسائل کو خود استعمال میں لا سکیں۔ ہر طرح کے معاشی جبر سے چھٹکارا حاصل کر سکیں جو لوگ اس سب و سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں یقیناً ایک دن ضرور کامیاب ہونگے ہم اپنا کردار ضرور ادا کریں گے کہ تمام درست سمجھنے اور سوچنے والے مل کر چلیں عوام کو متحرک کریں یہی طریقہ اور سلیقہ ایک بڑی عوامی تحریک کو جنم دے سکتا ہے جس کے امکانات بہت ہیں لیکن شاید وقت زیادہ لگ جائے۔ اگر کوئی سلجھی ہوئی قیادت اور پارٹی آگے بڑھ جاتی ہے تو وہ سب کو اپنے اندر سمیٹ لے

گی جذب کر لے گی وقت کو زیادہ برباد ہونے سے بچا لے گی تحریک کو نکتہ عروج پہ لے جائے گی ورنہ اندھیرا ہے۔

سوال: ایک آزاد جموں کشمیر ریاست میں آپ کیسا نظام چاہتے ہیں؟

جواب: غریب عوام کا کشمیر وسائل تعلیم اور مواقع پر سب کا برابر حق ہے۔ حقیقتا اور عملا سب برابر ہوں۔ سب کا حق یکساں ہو۔ بربریت نفرت اور جارحیت کے بغیر ایک صاف ستھرا اعلیٰ انسانی اوصاف والا ملک اور معاشرہ جہاں تمام قومیتوں زبانوں ور مذاہب کے لوگ مل کر رہنا سیکھ گئے ہوں۔

سوال: جہادی تنظیموں کو آپ کس طرح دیکھتے ہیں؟

جواب: دسویں صدی کی تاریخ کے اوراق سے گرد جھاڑ کر جہاد کا احیاء اس وقت کیا گیا جب افغانستان میں نور محمد ترکئی کی قیادت میں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی آف افغانستان (PDPA) میں ثور انقلاب برپا ہوا بس کیا تھا جیسے قیامت برپا ہوگئی ہر سو صف ماتم بچھ گئی امریکہ اور اس کے حلیفوں کی خوفزدہ بے چینی ہی بنیادی طور پر جہاد کو منظر شعود پر لائی جس نے افغان عوام کو برباد تو کیا ہی لیکن اس کے اثرات اردگرد ہر جگہ پر پڑے۔ معاشی تنگدستی، غریبی، لاچاری، ور بے یقینی کا شکار نوجوان اس جہاد کے لئے بڑا مفید ایندھن ثابت ہوئے جس نے ہر چیز کو بھسم کر کے رکھ دیا۔

افغان جہاد میں جب شدت کم ہوگئی تو اس اتنی بڑی سپاہ کو کشمیر کی طرف دھکیل دیا گیا تا کہ یہ وہاں مصروف رہیں اور پاکستانی ریاست کو کسی مشکل سے دوچار نہ کریں ان کی وہاں تعیناتی سے پہلے کشمیر میں دائیں بازو کے ایک نیم قوم پرست دھڑے کو منظّم کیا گیا اس کو تربیت اسلحہ دیکر منصوبہ بندی سے میدان میں اتارا گیا حالانکہ اس دھڑے کی اس وقت کی قیادت کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ ایسا نہ کریں لیکن تحریکوں کی باریکیوں سے ناواقف نہ مانے سو اس کے نتائج آج وہ بھی بھگت رہے ہیں اور عوام بھی۔

مقبول بٹ کی شہادت نے بہت غصے کے ساتھ معاشرے کی نچلی سطحوں تک سوالات کو جنم دے دیا تھا پاکستانی اداروں نے ان جذبات کو مہمیز دینے کے لیئے لوگوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی اپنے خاص کارندے بھی میدان میں اتارے جنہوں نے نرسری کی طرح جہادی تنظیموں کا ایک جنگل اگا دیا شاید ہی کوئی اسلامی فاتح اور سپہ سلار بچا ہو جس کے نام پر ایک رجمنٹ قائم نہ کی ہو۔ان سپاہیوں نے وہ گل کھلائے کہ ایک اچھا بھلا بڑھتا عوامی ابھار جس نے سب کو سمیٹ کر آزادی کا سفر شروع کرنا تھا کو برباد کر کے رکھ دیا۔ چند ہی سالوں میں کشمیر کے عام لوگوں نے ان مجاہدوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور اب یہ چھپ چھپا کر اکا دکا کارروائی کرتے ہیں۔اور وہ گروپ جو اس سب کا آغاز بنا تھا اس نے مسلح جدوجہد ترک کر کے سیاسی راستہ اختیار کرنے کا اعلان کیا۔

بہرحال ان جہادی تنظیموں کے نظم ونسق طریقہ کار اور طرز عمل میں لوگوں کی زندگی کو محدود کرنا ہے اور ان کے لیے اپنے اور اپنے ہم خیالوں کے علاوہ باقی کوئی بھی قابل قبول نہیں۔

یہ تنظیمیں اس طرح کی درجہ بندی میں ہیں۔

حزب المجاہدین: یہ جماعت اسلامی کا مسلح ونگ ہے اور کشمیر Base ہونے کا دعویٰ کرتی ہے جو شاید صلاح الدین کی سرپرستی میں کام کرتی ہے اس کے وسائل کبھی کم نہیں ہوتے ہاں البتہ اگر کبھی نادیدہ قوتیں تعاون سے ہاتھ کھینچ لیں تو یہ تھوڑی سست ہو جاتی ہے۔اسی تنظیم نے اسلامی چھاترو کے نام سے آزادی کی جنگ لڑنے والے بنگالی عوام کا قتل عام کیا تھا پاک فوج کا دستہ بن کر لوٹ مار اور عصمت دری کے واقعات میں بری طرح ملوث رہی اس کے ان رہنماؤں کو آج حسینہ واجد پھانسیاں دے رہی ہے ان جرائم کے الزامات میں۔

حرکت الانصار، حرکت الجہاد، جیش محمد، لشکر طیبہ، حرکت المجاہدین اور اسی طرز کے کئی اور گروپ بھی سرگرم ہیں جو صورتحال کو مکمل طور پر برباد کر رہے ہیں ظاہر ہے ان گروپوں کو کشمیر کے عوام کی حمایت تو حاصل نہیں ہے باہر سے گئے ہوئے یہ لوگ کشمیر کے اصلی اور قدیمی باشندوں کو قتل

کر رہے ہیں یا ان کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا ہے یہ گروہ اپنے مرکز کے ساتھ مکمل جڑے ہوئے ہیں جب رسد زیادہ مل جائے تو ان کی سرگرمیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے نہیں تو اپنے کیمپوں میں آرام فرماتے ہیں اور کچھ تبلیغ کے لیئے نکل جاتے ہیں۔

زیادہ واضح بات یہ ہے کہ افغانستان سے سیکھے ہوئے ہنر کو بڑی اچھی طرح استعمال کرتے ہیں۔ بظاہر تو یہ اللہ کے مجاہد ہیں لیکن حقیقت میں یہ پاکستانی فوج کے پرائیوٹ دستے ہیں جن کے ذریعے یہ سول آبادی کو کنٹرول کرتے ہیں۔

سوال: یعنی آپ ان کو آزادی پسند نہیں سمجھتے؟

جواب: یہ آزادی کے مفہوم سے واقف ہی نہیں ہیں کہ آزادی کیا ہوتی ہے یہ تو عقیدے کی بنیاد پر دوسرے عقیدے والوں کو قتل کر رہے ہیں۔

سوال: JKLF کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: یہ دائیں بازو کے ایک مبہم قوم پرست خیالات کے حامل لوگوں پر مشتمل ہے جو نسبتاً کم فرقہ واریت کا شکار ہے لیکن زیادہ نمائندگی اسلام کے ماننے والوں کی ہی کرتے ہیں جیسے کوئی دو سال پہلے ان کے چیئرمین یٰسین ملک تمام ہندوؤں کو انڈیا کا ایجنٹ اقرار چکے ہیں راولپنڈی کی کسی محفل میں۔

سوال: JKPNP کیا کر رہی ہے؟

جواب: JKPNP نے اور کچھ بھی نہ کیا ہو لیکن یہ ضرور کیا ہے کہ معاشرے کی نچلی سطح تک ایک سچی آزادی اور حقیقی انقلاب کی بحث کو لیکر گئی ہے۔ جدید نظریات، قومی آزادی اور اس میں عوام کی شرکت کے سوال کو شدت سے اٹھایا ہے کہ جو جس کا غلام ہے وہ اس کے خلاف جدوجہد کرے اس سے پہلے صرف سرینگر میں پاکستان کے جھنڈے لہرانے کے اعلانات ہی ہوتے تھے۔

پارٹی اپنا پروگرام اور منشور دے چکی ہے جلد یا بدیر سب کو اسی راستے کو اختیار کرنا پڑے گا اس کے علاوہ اور کوئی راستہ ہے بھی نہیں۔

سوال: آزادی کی تحریک کو درست راستے پر چلانے کے لئے آپ کیا تجویز کرتے ہیں؟

جواب: اپنے عوام پر پختہ یقین فرقہ واریت اور مذہبی نفرت کو تحریک سے مکمل طور پر الگ کیا جائے قابض ملکوں کی بلاواسطہ جنگ لڑنے سے مکمل انکار کیا جائے۔ ایک جماعت کے ساتھ مل کر کام کرنا بہترین ہے یا کم از کم ایک یونائیٹیڈ فرنٹ تشکیل دیا جائے۔

سوال: قوم پرستوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: قوم پرست تاریخی تناظر کو سمجھنے سے عاری ہیں وہ بہت پیچھے کھڑے ہیں ابھی ان میں چیزوں کو سمجھنے کی صلاحیت کی کمی ہے بے سروپا بھاگ رہے ہیں ان کو زیادہ گہرائی سے سوچنے کی ضرورت ہے۔

انٹرویو 2

جموں کشمیر پیپلز نیشنل پارٹی کی مرکزی کنوینگ کمیٹی کے سیکرٹری حبیب الرحمان کا روزنامہ باغ ٹائمز کو خصوصی انٹرویو:

انٹرویو پینل: امجد شاہ زاہد گیلانی راجہ یاسین نور

حبیب الرحمٰن کا شمار آزاد کشمیر کے ممتاز ترقی پسند اور انقلابی رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ آپ زمانہ طالب علمی سے ہی معاشرے سے ہٹ کر چلنے کی روش پر گامزن رہے ہیں۔ ان کا تعلق وسطی باغ کے معروف گاؤں چھتر نمبر 1 سے ہے۔ آپ آزاد کشمیر اور پاکستان بھر میں ترقی پسند اور انقلابی کام کرنے والے رہنماؤں سے قریبی تعلق رکھنے والے سیاسی رہنما ہیں۔ فی الوقت جے کے پی این پی کی مرکزی کنوینگ کمیٹی کے سیکرٹری جنرل کے طور پر اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔ آپ حصول روزگار کے لئے سندھ پاکستان میں کام کر رہے ہیں۔ باغ آئے تو روزنامہ باغ ٹائمز نے آزاد کشمیر کی موجودہ سیاسی صورت حال پر ان سے خصوصی انٹرویو لیا جو نذر قارئین ہے۔

سوال: آزاد کشمیر کی موجودہ سیاسی صورت حال کو آپ کس تناظر میں دیکھ رہے ہیں؟

جواب: آزاد کشمیر کے موجودہ سیاسی منظر نامے پر بات چیت کرنے سے قبل ہمیں اس کو پس منظر کو

دیکھنا ہوگا۔ 1947 سے قبل یہاں ریاست جموں کشمیر کے عوام کی اپنے حکمران مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف سیاسی اور جمہوری حقوق کے حصول کے لئے ایک تحریک موجود تھی۔ یہ ہر لحاظ سے مقامی جدوجہد تھی جو یہاں کے عوام نے اپنے سیاسی و جمہوری حقوق کے لئے شروع کی تھی۔

اس جمہوری جدوجہد میں جو لوگ شریک تھے۔ ان میں دو گروہوں کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ ایک جو یہاں ایک حقیقی جمہوری نظام کے قیام کے لئے جدوجہد کر رہے تھے دوسرے وہ لوگ تھے جو مراعات یافتہ تھے، یہ اپنے لئے مزید معاشی، سیاسی اور معاشرتی مفادات کے حصول کے لئے عوام کو اپنا ہمنوا بنا رہے تھے۔ اس دوران 1947ء میں برصغیر کو تقسیم کے خونی عمل سے گذرنا پڑا۔ تقسیم کے طریقے کار پر آل انڈیا مسلم لیگ اور کانگریس کے موقف میں واضح تضاد تھا۔ کانگریس کا موقف یہ تھا کہ Princely States کے مستقبل کے فیصلے کا تعین متعلقہ ریاست کے عوام کو سونپا جائے جبکہ آل انڈیا مسلم لیگ کا موقف یہ تھا کہ عوام کے بجائے متعلقہ ریاست کے حکمران کو دینا چاہیے کہ وہ اپنی ریاست کو بھارت میں شامل کرے، پاکستان میں شامل کرے یا آزاد حیثیت میں رہنے کا فیصلہ کرے۔ بالآخر مجموعی طور پر آل انڈیا مسلم لیگ کے موقف پر انگریزوں نے یہ اختیار متعلقہ ریاست کے حکمران کو تفویض کیا۔ اگرچہ تقسیم کے فارمولہ ریاست جموں کشمیر پر براہ راست لاگو نہیں ہوتا تھا، اگر ہوتا بھی تو مہاراجہ کشمیر نہ ہندوستان سے ملا اور نہ پاکستان سے ملا۔ اس نے دونوں ممالک کے ساتھ معاہدہ جوں کا توں (Stand still agreement) کیا۔ اس معاہدے کی رو سے پاکستان نے کشمیر میں مداخلت نہیں کرنی تھی۔ تاہم تمام سفارتی اصولوں کو بالائے تاک رکھ کر اس وقت کی پاکستانی اسٹیبلشمنٹ نے قبائلیوں کے ذریعے کشمیر پر حملہ کروالیا۔ میجر خورشید انور نے اس حملہ کی قیادت کی۔ یہاں لوٹ مار، قتل و غارت گری کا وہ بازار گرم کیا کہ جس کے تصور سے ہی رونگٹھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انسانوں، حیوانوں، چرند، پرند تک کوئی محفوظ نہ رہا۔ عورتوں اور بچوں تک کوئی ان قبائلیوں کے شر سے محفوظ نہ رہ سکا۔ یہ سب کچھ مذہب کے نام پر کیا گیا۔ مہاراجہ کے باجگزار حالات کا رخ دیکھ کر حملہ آوروں سے مل گئے۔ یہ حملہ آور سرینگر تک

پہنچ گئے تھے۔ اس صورت حال میں مہاراجہ کشمیر کو کشمیر ہاتھ سے جاتا دکھائی دیا تو اس نے ہندوستان سے مدد چاہی۔ ان کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت 27 اکتوبر 1947ء کو ہندوستانی افواج ریاست میں آئیں اور اس نے قبائلی یلغار کو مقابلہ کرتے ہوئے ان کو پسپا کرنا شروع کر دیا۔ یاد رہے کہ قبائلیوں نے 21 اور 22 اگست کی درمیانی شپ کو مظفر آباد پر حملہ کیا تھا۔ جس کے نتیجے میں یہاں کے 24 اکتوبر کو جونجال ہل کے مقام پر آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر کے نام پر ایک نام نہاد انقلابی حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس حکومت نے خود کو مہاراجہ کشمیر کی متبادل حکومت قرار دیا۔ اس کے مطابق سردار ابراہیم خان اس خطے کے صدر بن گئے۔ جبکہ اس طرف شیخ عبداللہ نے عنان اقتدار سنبھالی۔ اس دوران مہاراجہ کے کہنے پر ہندوستان اس مسئلہ کو سلامتی کونسل میں لے گیا۔ جہاں 1949 میں کشمیر کے دونوں اطراف کے کشمیری حکمرانوں کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے علاقوں کی نمائندگی کریں اور پنا مسئلہ از خود پیش کریں۔ سردار محمد ابراہیم خان اس وقت صدر ریاست تھے۔ وہ بھی وہاں پہنچے جبکہ دوسری طرف سے شیخ عبداللہ نمائندگی کے لئے گئے ہوئے تھے۔ سردار ابراہیم خان کی جگہ حکومت پاکستان نے ایم ڈی تاثیر کو صدر آزاد حکومت بنا کر پیش کیا۔ شیخ عبداللہ نے وہاں کھڑے ہو کر کہا کہ یہ سردار ابراہیم نہیں ہے وہ اور میں دونوں کشمیر اسمبلی میں اکٹھے رہ چکے ہیں۔ جس پر حکومت پاکستان کی وہاں کافی جگ ہنسائی ہوئی۔ جب ابراہیم خان کو حکومت پاکستان کی اس کھلی زیادتی کا پتہ چلا تو وہ سخت برہم ہوئے۔ انھوں نے اس پر پریس کانفرنس کے ذریعے حکومت پاکستان پر شدید ترین تنقید کی۔ اس پر ان کو معزول کر کے کرنل شیر احمد کو صدر بنایا گیا۔ ابراہیم خان نے اس فیصلے کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ایک متوازی انقلابی حکومت قائم کی۔ اس میں پونچھ کے عوام کی اکثریت ان کی پشت پر موجود تھی۔ اس میں مولوی عبداللہ، عمر بخش اور عبدالعزیز ملوٹی جیسے زعما تحصیل باغ سے ان کے ساتھ تھے۔ اس متوازی حکومت کے دوران دو بدو لڑائی ہوئی۔ پنجاب کنسٹیبلری کے میجر عثمان کو یرغمال بنا لیا تھا۔ یہ مذاحمت کوئی پانچ سال تک چلی، بعد ازاں پی سی نے آ کر اس بغاوت کا قلع قمع کیا۔ اس

بغاوت سے پاکستان کے ارباب اختیار نے یہ سیکھا کہ آزاد کشمیر میں حکمرانی کا تاج کبھی کسی عوامی طاقت کے حامل لیڈر کو نہیں دینا ہے جس سے مستقبل میں ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑے۔ اس کے لئے انھیں کسی کمزور بیگ گراؤنڈ والے شخص کی ضرورت تھی۔ اس کے لئے انھیں سردار عبدالقیوم خان مناسب نظر آئے۔ انھوں نے ان کی اس حوالے سے تربیت کرنی شروع کر دی۔ جبکہ سردار ابراہیم خان کو 1970ء کی دھائی تک سیاسی عمل سے عملی طور پر دور رکھا گیا۔ پھر وہ پی پی پی میں شامل ہو کر کسی طرح دوبارہ سیاسی میدان میں اترے مگر اب کے انھوں نے کافی حد تک کمپرومائز کرنا سیکھ لیا تھا۔ اس درمیان کے عرصہ میں انھوں نے کے ایچ خورشید کو بھی آزمایا مگر انھوں نے بھی آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو ملا کر ایک خودمختار حکومت کی بات کی تو انھیں بھی آوٹ کر دیا گیا۔ پھر خود تراشے ہوئے مجاہد اول کو میدان میں لے آئے۔ اسی طرح پہلے پی پی پی اور پھر 1973 میں جماعت اسلامی کے طلبہ ونگ اسلامی جمعیت طلبہ کے ذریعے یہاں غیر ریاستی جماعتوں کو انجیکٹ کیا گیا۔ ایک منصوبہ بندی کے تحت اس علاقہ کے لوگوں کو اپنے تاریخی ورثے سے محروم کر دیا گیا۔ ہمیں ہماری تاریخ اور ثقافت سے کاٹ کر الگ کر دیا گیا۔ یوں پورے خطے کی تباہی کی بنیاد رکھ دی گئی۔ اس دوران جن لوگوں نے ریاست کی بحالی اور ریاستی وسائل کو اپنے عوام پر لگانے کی بات کی، ان پر طرح طرح کے الزامات لگا کر دیوار سے لگا دیا گیا۔ ان کو ہندوستانی ایجنٹ سمیت کئی طرح کے گھٹیا الزامات لگا کر سیاسی میدان میں عوام سے کاٹا گیا۔ اسطرح ان لوگوں کو ریاست کے ذمہ داراداروں سے فارغ کر دیا گیا۔ اس پورے منظرنامے میں حقیقی عوامی قوت کو پروان چڑھنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ پہلے اس خطے میں ریاستی جماعتوں کے ذریعہ پر اکسی لڑائی لڑی گئی۔ اس کے بعد غیر ریاستی جماعتوں پی پی پی، جماعت اسلامی، نون لیگ اور پی ٹی آئی جیسی جماعتوں کو جو بنیاد پرستی کا لبرل چہرہ لیے ہوئے ہیں کے ذریعے اپنے منظور نظر حکمرانوں کو سامنے لایا گیا۔ یہاں کے عوام کو خود انحصاری کے بجائے انحصاری سوچ کے حامل حکمرانوں کے پیچھے چلنے کی ترغیب دلائی گئی۔ اس وقت جو لوگ اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھے ہیں

یہ کوئی حقیقی عوامی نمائندے نہیں ہیں بلکہ یہ چاپلوسوں، درباریوں، خواشامدیوں کا ایک طائفہ ہے جس کا کام یہ ہے کہ غلامی کو خوبصورت بنا کر پیش کریں۔ یہ انجمن غلاماں ہے جو دھرتی کے وسائل کو قابضین کو سونپنے کے ایجنڈے پر کام کر رہی ہے۔ اس تناظر میں کشمیری عوام کا رول ختم ہوتا جا رہا ہے۔ مظفر آباد اسمبلی دنیا بھر میں موجود تمام اسمبلیوں کے مقابلے میں بے اختیار ترین اسمبلی ہے۔ اس کی توقیر دیگر ممالک کی میونسپل کمیٹی سے بھی کم ہے۔ اس حکومت کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ ان کے پاس کوئی مالیاتی کنٹرول نہیں ہے۔ کشمیر کونسل کے اختیارات اسے سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا چیئرمین براہ راست پاکستان کا وزیر اعظم ہوتا ہے۔ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ یہاں کے کسی بھی حکمران سے کلی طور پر مطمئن نہیں ہوتی ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ یہاں ایسے لوگوں کو انجیکٹ کیا جائے جن کی مدد سے ریاست کے وسائل پر براہ راست قبضہ کیا جا سکے۔

میری سیاسی نظریہ کہتی ہے کہ حکومت پاکستان گلگت بلتستان کی طرح آزاد کشمیر کو بھی صوبہ بنانے کے منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ اس سلسلے میں ان کو ٹوٹ بٹوٹ قسم کے حکمران کی ضرورت ہے، جس سے انگوٹھا ثبت کروا کر کشمیر کے اس لولے لنگڑے ڈھانچے کو بھی ختم کروا دیں۔ نواز شریف اور ان کے اتحادی ملکر اس ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ وہ آئندہ انتخابات میں منتخب ہونیوالی اسمبلی سے یہ کام کروانا چاہتے ہیں۔ یہاں کے حکمران دولت کی چمک سے متاثر ہو کر یہ کر گزریں گے۔ جن کا مقصد ہی دولت کا حصول ہو ان کے لئے جائز اور ناجائز ہر ہتھکنڈہ جائز ہو جاتا ہے۔ ان کو ریاستی عوام کے مستقبل سے کوئی غرض نہیں ہے۔

سوال: دیکھا گیا ہے کہ قوم پرست اور ترقی پسند جماعتوں کے کارکن بھی انتخابات میں الحاق نواز جماعتوں کو ووٹ دیتے ہیں، جب کہ ان کے لئے بھی میدان کھلا ہے وہ اپنے پلیٹ فارم سے انتخابات میں کیوں نہیں اترتے؟

جواب: میں ایک غلط فہمی دور کر دوں کہ جموں کشمیر پیپلز نیشنل پارٹی روایتی معنوں میں کوئی قوم پرست تنظیم نہیں ہے۔ یہ ایک انقلابی سیاسی جماعت ہے۔ جو ریاست کی بحالی، اور اپنے وسائل کو

اپنی مرضی سے استعمال کرنے کا حق چاہتی ہے۔الحاق پاکستان کی شق پر دستخط کرنا نہ کرنا ایک بہانہ ہے۔اگر ہمارے پاس مطلوبہ عوامی طاقت ہوتو ہم اس شق کو تبدیل بھی کروا سکتے ہیں اور اس کے ہوتے ہوئے بھی انتخابات میں جا سکتے ہیں۔ہمیں مسلط کی ہوئی مجبوری کے تحت الیکشن میں جانا چاہئے۔کیونکہ قومی ریاست کے قیام کے لئے جمہوری عمل میں جانا ضروری ہوتا ہے۔اگر آپ ہماری قوم پرست تحریک کی بات کرتے ہیں تو وہ وقت سے پچھڑی ہوئی ایک کونے پر کھڑی کسی سوچ میں گم ہے۔اصل میں قوم پرست تنظیموں کو یہاں درست تناظر میں کام کرنے ہی نہیں دیا گیا۔ان پر طرح طرح کے الزامات لگا کر ان کے سیاسی قائدین کو عوام کی نظروں میں بے توقیر کر دیا جاتا رہا ہے۔ایسے میں حقیقی عوامی جمہوری پارٹی کا قیام وقت کا سب سے بڑا سوال ہے، جس پر جے کے پی این پی اپنے محدود وسائل اور افرادی قوت کے بل بوتے پر کام جاری رکھے ہوئے ہے۔قوم پرست تحریک پر پہلا حملہ پاکستان نے 1971 میں اس وقت کیا جب گنگا طیارہ اغوا کیا گیا۔تمام قوم پرست قائدین کو مقبول بٹ صاحب گرفتار کر کے شاہی قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ان پر طرح طرح کا تشدد کیا گیا، جس کی ایک الگ داستان ہے۔اس طرح عوام حکمران طبقے کی نفسیات کے مطابق چلتی ہے۔جب اقتدار میں چاپلوس قسم کے حکمران ہونگے تو اس کا اثر عوام پر بھی پڑتا ہے۔

سوال: اگر گلگت بلتستان کو باضابطہ طور پر پاکستان کا آئینی صوبہ بنالیا گیا تو آپ کی پارٹی کیا کرے گی؟

جواب: ہماری پارٹی کا اپنا نظریہ، لائحہ عمل اور طریقہ کار ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ کشمیر کی وحدت بحال ہونی چاہیے۔اس میں بسنے والی تمام قومیتوں، مذاہب اور علاقائی ورثہ کی حفاظت کا پورا نظام موجود ہے۔کشمیر میں جو مشترکہ خودمختار حکومت بنے گی اس میں تمام قومیتوں کو برابری کی بنیاد پر بشمول حق علیحدگی تمام حقوق حاصل ہونگے۔ گلگت بلتستان بھی کشمیر کی اکائیاں ہیں۔ اصولی طور پر عالمی فورم پر پاکستان نے یہ تسلیم کیا ہوا ہے کہ یہ ریاست جموں وکشمیر کا حصہ ہے۔اس لئے وہ

ایسا نہیں کرسکتا۔ اس کے باوجود اگر ٹاؤٹ قسم کے حکمرانوں سے کسی معاہدہ پر دستخط کروانے کی کوشش کی گئی تو اس کے خلاف سخت قسم کا عوامی ردعمل اندرون ملک اور بیرون ملک میں ہوگا۔ اپنے سیاسی حجم کے مطابق ہم سے جو ہوسکا ہم اس اقدام کے خلاف وہ کریں گے۔ پاکستان ویسے بھی عالمی فورم پر Guilty ڈیکلئر ہے۔ عالمی فورم پر جس معاہدہ پر یہ دستخط کر چکا ہے اس کے مطابق پاکستان ریاست سے سو فیصد فوجوں کو نکالے گا جبکہ ہندوستان ستر فیصد کو نکالے گا۔

سوال: آپ کی جماعت قوم پرست اتحاد ''اپنا'' میں شامل نہیں، ہوئی کیا آپ الائنس کے خلاف ہیں؟

جواب: کوئی بھی اتحاد یا الائنس اصولوں پر بنتا ہے، اس کے کچھ مقاصد طے ہوتے ہیں۔ قوم پرستوں کے درمیان جو اتحاد بنتے اور ٹوٹتے ہیں ان کی بنیادی وجہ خود پسندی اور نرگسیت جیسی شخصی خامیاں ہیں۔ دوسرا وسائل کے فقدان کی وجہ سے یہ تادیر چل نہیں سکتے۔ پاکستانی ریاست کی مداخلت اتنی زیادہ ہے کہ قوم پرست اتحاد بن نہیں سکتے، اگر بنتے ہیں تو تڑوا لیے جاتے ہیں۔ اتحاد کسی تحریک کو شروع کرنے لے کے لئے ہوتے ہیں۔ سیاسی پارٹیوں کو یا افراد کو اکاموڈیٹ کرنے کے لئے نہیں ہوتے۔ جے کے ایل ایف کے ساتھ ہمارا ایک اتحاد چل رہا ہے۔ اپنا کے اوپر ہمارے تحفظات تھے، ہم اس کے قیام کے مخالف نہ تھے، ان کے کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جے کے پی این پی یہ سمجھتی ہے کہ کشمیر کے موجودہ تینوں خطوں کی پارٹیوں پر مشتمل ایک یونائیٹڈ پیٹریاٹک فرنٹ کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے مقاصد میں کیمپوں کا ختم کیا جانا آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو ملا کر آئین ساز اسمبلی قیام، دونوں خطوں سے فوجوں کا انخلاء، پراکسی وار کے نتیجہ میں دربدر ہونے والے کشمیریوں کی واپسی، زخمیوں اور دیگر victumise کو دونوں حکومتیں compansate کریں۔ مہاجرین کو دونوں حصوں میں دوبارہ آباد کیا جائے۔ یہ ریاست کو جوڑنے کا پروگرام ہے۔ یہ جائز مطالبات ہیں۔ اس طرح کے فرنٹ میں تمام محبّ وطن قوم پرستوں کو شامل کرنا چاہیئے۔ اس کے بغیر ہندوستان اور پاکستان جیسی دو طاقتوں کو محض نعروں سے

بھگایا نہیں جاسکتا۔محض مسلح جدوجہد اس مسئلہ کا حل نہیں ہے۔منقسم کشمیر کے عوام ہی وہ واحد طاقت ہیں جو ریاست کی بحالی کرواسکتے ہیں۔

سوال: کیا کشمیر کا مذہبی بنیادوں پر کوئی حل نکل سکتا ہے؟

جواب: کشمیر سیکولر بنیادوں پر ہی ایک خودمختار ریاست بن سکتی ہے۔اگر کسی نے کبھی بھی مذہبی بنیادوں پر خودمختار حکومت قائم کرنی کی کوشش کی تو وہ مزید تباہی اور بربادی کا ذریعہ بنے گی۔کشمیر صرف 600 مربع میل پر مشتمل ویلی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ ریاست جموں وکشمیر 84471 مربع میل کی وہ ریاست ہے،جس پر 1947 سے قبل مہاراجہ کی حکومت کی عملداری تھی۔فرقہ واریت پر مبنی کوئی بھی تحریک مزید تقسیم کا باعث تو ہوسکتی ہے مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ یہاں پر ایک منصفانہ، سرمایہ دارانہ پالیسیز سے ہٹ کر وسائل کی تقسیم اور سیکولر بنیادوں پر ہی مستقبل کی ریاست کی تشکیل ہوسکتی ہے۔محنت کش طبقہ ہی ریاست کی وحدت کی بحالی کا ضامن ہے۔

سوال: آپ کے نزدیک اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟

جواب: آج نہیں تو کل،جلد یا بدیر اس مسئلہ کا منصفانہ حل نکالنا ہی پڑے گا۔ریاست جموں وکشمیر کی بحالی سے ہٹ کر کوئی بھی حل کشمیریوں کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔اس مسئلہ کو آبرومندانہ حل یہی ہے کہ اقتدار کشمیریوں کے حوالے کیا جائے اور وہ یہاں پر اپنی مرضی سے حکومت سازی کرسکیں۔

سوال: کیا مقبوضہ کشمیر میں کشمیریوں کی کوئی حقیقی تحریک موجود ہے؟

جواب: ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں ایک حقیقی سچی تحریک موجود نہیں ہے۔البتہ وہاں ایک مذہبی تحریک چل رہی ہے،جس میں ایک مذہب کے ماننے والے ہیں۔یہ آزادی کی تحریک نہیں ہے۔ سرینگر کے ہر چوک میں مسلح گروپس ہیں مگر دیگر جگہوں پر کچھ نہیں ہے۔اس لئے اس تحریک کو آزادی کی حقیقی عوامی سیاسی تحریک نہیں کہا جاسکتا۔

سوال: بیرون ممالک میں مقیم کشمیری عالمی فورم پر مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے جو اقدامات کر رہے

ہیں، کیا ان کا کوئی اثر اس کے حل پر پڑے گا؟

جواب: یہ سوال کافی مشکل اور پیچیدہ ہے۔ پوری دنیا میں کشمیری پھیلے ہوئے ہیں۔ جو حصول روزگار کے سلسلہ میں وہاں مقیم ہیں۔ صرف برطانیہ میں ڈیڑھ ملین کشمیری بستے ہیں۔ عالمی سطح پر سفارت کاری تب کارآمد ہوتی ہے جب آپ کے ملک میں آزادی کی کوئی تحریک چل رہی ہو، یہاں آزادی کی حقیقی عوامی تحریک موجود ہی نہیں ہے تو ایسے میں اگر کچھ لوگ وہاں ذاتی حیثیت میں کچھ کر بھی رہے ہوں تو یہ صدا بصحرا ہی ثابت ہوگی۔ کشمیریوں کی بڑی تعداد بیرون ملک ہے، یہ معاشی ترقی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس کا کشمیر کی آزادی سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ گپ شپ کے لئے فورم ہوتے ہیں۔ اس سے لوگوں کا کتھارسسز ہوتا ہے جو بذات خود اچھا عمل ہے۔ اگر ملک کے اندر تحریک موجود ہو اور وہ Peak پر ہو تو پھر کشمیری ڈائی سپورا کا رول اہم ہوگا۔ ہاں اس میں شامل سنجیدہ فکر لوگ وہاں مقیم کشمیریوں کی سیاسی تربیت کر سکیں اور کشمیریوں کو ہندوستان نواز اور پاکستان نواز جماعتوں کے چنگل سے چھڑا سکیں تو ان کا یہ بڑا کارنامہ ہوگا۔

خط

بنام امان اللہ خان

(سپریم ہیڈ جموں کشمیر لبریشن فرنٹ)

انتہائی محترم جناب امان اللہ خان صاحب!

آپ کا 22 اکتوبر 2008 کو تحریر کردہ خط مجھے 31 اکتوبر کو موصول ہوا۔ مجھے یہ جلد ملنا چاہیے تھا۔ محکمہ ڈاک نے اس کو پہنچانے میں دیر کر دی یا پریس کلب باغ اس میں دیر کر گیا بہر حال اس سب کے باوجود میں آپ کا اپنی طرف سے اور پارٹی یعنی جموں کشمیر پیپلز نیشنل پارٹی (جے کے پی این پی) کی طرف سے بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس خط کے ذریعے جے کے پی این پی سے اس کی آراء جاننے کی کوشش کی ہے کہ ہم (پی این پی) حق خودارادیت سے کیا مراد لیتے ہیں اور 14 اکتوبر 2008 کو یوم حق خودارادیت منانے اور اس میں منظور کی جانے والی قراردادوں پر رائے جاننے کی خواہش کا اظہار کیا ہے، میں کوئی زیادہ تفصیل سے اس پر شاید نہ لکھ سکوں اور نہ ہی خط کے ذریعے اس پر بہت زیادہ بات کی جا سکتی ہے البتہ اس پر ایک بنیادی اہم اور وقت کے تبدیل ہوتے ہوئے لمحات میں حق خودارادیت کے مفہوم معنیٰ اور اس کے لوازمات کے ساتھ منظور کی جانے والی قراردادوں اس کے محرکات نتائج اور اثرات کا مختصر جائزہ لینے کی کوشش کرونگا۔

اصولی طور پر رائے پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کی طرف سے اجتماعی طور پر آنا چاہیے تھی لیکن شاید حالات ایسے نہ تھے کہ سینٹرل کمیٹی کا اجلاس بلایا جا سکے سو پارٹی کے سینئر رہنماؤں، تمام زونل اور مرکزی کابینہ کے اراکین سے بذریعہ ٹیلی فون اور ملاقات کر کے جو مشترکہ ا؟ راءِ سامنے آئی ہیں جو پارٹی کے بنیادی منشور اور نظریہ کا محور یعنی حق خودارادیت یعنی قوموں کا حق آزادی یا حق علیحدگی پر پارٹی کا غیر متزلزل یقین ہے پر کچھ گزارشات کروں گا اور دوسرے حصے میں منظور کی جانے والی قراردادوں پر بات کرنے کی کوشش کروں گا چونکہ بحیثیت پارٹی کے مرکزی ترجمان کے یہ میری ذمیداری ہے اور بحیثیت آزادی پسند محنت کش کے فرض بھی ہے کہ سیاسی عمل میں جہاں ممکن ہو سیاسی قوتیں جو کسی حد تک سیاسی عمل میں شریک ہیں ان کے ساتھ ان سیاسی روابطہ کے بہتر بنانے اور عمل میں پارٹی کی نمائندگی بھی کر سکوں۔

ان تمام مندرجات کو کسی فرد پارٹی یا کسی رہنما کی بنیادوں پر دیکھنے کی بجائے اسے سماجی اور معاشی ناہمواری کے تسلسل کے ساتھ اس طبقاتی تضادات کی روشنی یعنی دو طبقوں (حاکم و محکوم) کی باہم کش مکش کے تناظر میں دیکھنا زیادہ مناسب اور بہتر ہوگا۔

حق خودارادیت:

جو چیز حق خودار یت کہلاتی ہے یا جس کو حق خودار یت کہا جاتا ہے اسے جب جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کی جاتی ہے یا یہ کے خودارادیت سے مراد کیا ہے؟ تو سب سے پہلا سوال یہ اُٹھتا ہے کے آخر اس اصطلاح سے سمجھا کیا جائے؟ اور آج کے حالات میں اس کو سمجھنا کیوں ضروری ہے؟ (جب ساری انسانیت سرمایہ داری کے دہویکل حملوں کا شکار ہو کر خود ن آلود ہے الفاظ کے یمعنیٰ اور مفہوم تبدیل کر کے ان کو نئے نئے معنیٰ اور مفہوم عطا کیے جا رہے ہیں جن میں نہ صرف ابہام ہے بلکہ انسانیت کو سوچنے غور کرنے اور آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے بھی استعمال کیے جا رہے ہیں) کیا ہم اس سوال کا جواب قانون کی بھاری بھاری کتابوں میں طرح طرح کے عام تصورات سے نچوڑی ہوئی تفسیروں میں تلاش کریں؟ یا ہم اس سوال کا جواب قومی تحریکوں کو

تاریخی تناظر اور اسکے معاشی واقتصادی مطالعے اور اسباق میں تلاش کریں؟

یہ کوئی حیرت کی بات بھی نہیں کہ ایڈہاک کمیٹی برائے حق خودارادیت میں موجود دائیں بازو یا حکمران طبقوں کی پارٹیوں کی اکثریت نے اس سوال کو اس کے حقیقی تناظر میں اٹھانے کا دور دور تک کبھی سوچا بھی نہیں بلکہ وہ اس سوال کو ابہام کی ہنسی میں اڑاتے رہے، اور وہ جوش اور ہیجان کے ساتھ برس پڑتے ہیں اس کا مفہوم اور معنیٰ بدل کر اپنے مفادات اور حکمران طبقے کی خواہشوں کے اسیر بن کر اس کی تاویلیں گھڑ کر عوام کو درست راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسی کوششوں میں اکثر و بیشتر کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ وہ یہ سب کچھ کر کے اور کچھ حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں البتہ تاریخ کے ہاتھوں خود کو گناہ آلودہ ضرور کر لیتے ہیں۔ اگر آپ ان سے صرف اتنا ہی پوچھ لیں کہ آیا اس مسئلے کی جڑ قانونی اور جرب زبان تشریحات میں پوشیدہ ہے یا دنیا بھر کی قومی تحریکوں کے تاریخی تجربے میں سرمایہ داری کے مخصوص دور میں قومی تحریکیں بڑی تیزی سے ابھری تھیں اور بہت ساری کامیاب بھی ہوئی تھیں اس وقت سرمایہ داری جوان ہو رہی تھی اور اس کی ضرورت بھی تھی آج حالات ذرا مختلف ہیں سرمایہ داری انسانیت کا خون پی کر دہو کیل شکل اختیار کر چکی ہے اور اس کی ترجیحات بدل گئی ہیں۔ آج سرمایہ داری قومی تحریکوں یا قوموں کے حق خودارادیت کی نسبت سرمایے کے پھیلاؤ اور زیادہ منافعوں کے حصول کے رشتوں میں استوار ہو کر زیادہ لوٹ کھسوٹ کے ذریعے وسائل پر قابض ہو رہی ہے حق خودارادیت کے سوال کو غیر اہم قرار دے دیا گیا ہے ورنہ فلسطین جیسی طاقتور تحریک کو حق خودارادیت ایک فریم ورک میں حل کرنے کے بجائے منافع اور وسائل پر کنٹرول کرنے کے فریم ورک میں حل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور یہ کوششیں لازمی طور پر ناکامی سے دوچار ہونگی اور اگر نہ بھی ہوں تو بھی فلسطین کے محنت کش عوام کے ہاتھ خالی رہیں گے۔

درست طور پر دیکھیں تو آزاد اور وسیع تجارتی میل جول کے لئے جو بات بہت اہم ہے وہ ہے انسانوں کے درمیان میل جول کے زیادہ وسیع مواقع اور حکمران طبقے کے لئے زیادہ سازگار

ماحول جس کے ذریعے وہ زیادہ سرمایہ اکٹھا کر سکیں آسان لفظوں میں زیادہ لوٹ سکیں۔

کاروباری، مالکوں خریداروں اور بیچنے والوں کے درمیان زیادہ گہرا تعلق قائم کرنے کے لئے ان کو زیادہ آسان راستے او ر مواقع فراہم کرنا آج کے حالات میں سرمایہ داری کے لیے یہی موزوں ہے اور اس کی واضح مثال کشمیر کے دونوں اطراف میں تجارت شروع کرنے کے پس پردہ حکمران طبقے کو باہم جوڑنا ہے وسیع تر عوام کے باہم میل جول اور اتحاد کا اس عمل سے کوئی بہت زیادہ تعلق نہیں ہے۔

اس تناظر میں ابھرنے والی تحریکوں کے پیچھے اس طبقے کے مفادات اور نتیجے میں کسی قومی ریاست کا قیام سرمایہ داری کی طرف جھکاؤ والی ایسی ریاست کا ہوگا جس میں عوام لٹتے رہیں گے اور حکمران طبقہ آزادی کے بگن گاتا رہے گا جس طرح کے بگن آزاد کشمیر کے حکمران یا ہندوستانی کشمیر کے حکمران گاتے ہیں۔

اگر ہم قانونی قانونی تشریحات کی موشگافیوں سے کام نہ لیں اور ہوائی تفسیریں ایجاد نہ کریں بلکہ قومی تحریکوں کے تاریخی پس منظر اور اقتصادی یا معاشی حلات کو تجربات کی کسوٹی پر کھیں تو ناگزیر طور پر اس نتیجے پر پہنچنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ وقوموں کی حق خودارادیت سے مراد آزاد قومی ریاست کی تشکیل غاصب اور قابض اقوام سے علیحدہ ایک ایسی ریاست کا قیام جس میں کوئی قوم اپنی قسمت کی خود مالک ہو اور خود فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتی ہو اور حق خودارادیت کا مطالب جمہوری مطالبوں میں سب سے اہم اور بنیادی مطالبہ ہے اور اس کی کوششوں کا دارومدار گہری معاشی بنیادوں کے مطالعہ پر ہے جس کی روشنی میں ایک قومی ریاست کی تشکیل کا مطالبہ شامل ہوتا ہے اس سے مراد الگ ریاستی وجود کے سوا اور کچھ نہیں۔

ہم حق خودارادیت کا مطلب حق خودمختیاری سمجھتے ہیں اس سے مراد ظالم و جابر قوم یا اقوام سے آزاد سیاسی طور پر علیحدگی کا حق اور اسے سیاسی جمہوریت کے وسیع معنوں میں یوں لیا جاسکتا ہے کہ علیحدگی کے حق میں ایجی ٹیشن کرنے کی مکمل آزادی چاہیے والی قوم استعصو اب رائے کے

ذریعے اس کے آزادی کے سوال کو طے کرنا اور یہ مطالبہ منطقی اظہار ہے کسی بھی شکل کے قومی ظلم و جبر کے خلاف جدوجہد کا۔

ظالم اور جابر قوموں کے گھسے پٹے جملے اور فقرے جو وہ اپنے مقامی نمائندوں کے ذریعے محکوم اور غلام قوم کو لوریوں کی شکل میں سناتی ہیں تاکہ وہ اپنے حق یعنی آزادی کی طرف نہ جاسکیں۔اور یہی کھلواڑ پاکستان اور ہندوستان کے حکمران طبقات نے کشمیریوں کے حق خودارادیت کے سوال کے ساتھ کیا ہے حالانکہ یہ دونوں ملک اقوام متحدہ (بنیادی طور پر طاقتور ملکوں کی مفادات کا تحفظ ادارہ ہے) کی تعریف کردہ حق خودارادیت کو تسلیم کر کے اس پر دستخط بھی کر چکے اور شعوری طور پر عمل درآمد سے انکاری بھی ہیں اور جب یہ انکاری ہیں تو اقوام متحدہ کے چارٹر کی روح کے مطابق حق خودارادیت نہ ملنے کی صورت میں کشمیر کی عوام کو حق مزاحمت حاصل ہے اس کو جدید سرمایہ داری کی دہشت گردی کی تعریف کے روشنی میں کھویا نہیں جاسکتا۔

کشمیر کے دونوں حصوں میں موجود سیاسی جماعتیں چاہے وہ ہندوستانی ریاست کے مفادات کا تحفظ کرتی ہوں پاکستانی ریاست کے مفادات کا تحفظ کرتی ہوں دونوں گروہ موقع پرست اور آلہ کار ہیں جو حق خودارادیت کو بگاڑتے اور مسخ کرتے ہیں اور جو آزادی کے نظریے کی اہمیت اور تاریخ کی بقا کی عملی ضرورت سمجھنے کی تمام صلاحیتوں سے محروم ہیں جس کی ایک عام مثال پاکستانی زیر انتظام آزاد کشمیر گلگت بلتستان اور ہندوستانی کشمیر کے سسکتے ہوئے عوام کی حالت زار اور ان جماعتوں کا غیر ملکی حکمرانوں کے مفادات کے تحفظ کا کردار ہے۔

جو یہ الحاق ہندوستان یا پاکستان کو فوری اور خاص اہمیت دیتے ہیں اور ان کے الحاق کا مطالبہ جبری الحاق کا ہوتا ہے چونکہ ان کا مفاد اس میں وابستہ ہے ان مطالبوں کا کشمیر کے عوام سے عملی طور پر تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہے۔

اور اس جبری الحاق یا قبضے کے خلاف احتجاج ہی قوموں کے حق خودارادیت کو تسلیم کرنا ہوتا ہے اور الحاق یا قبضے کی ان حامی قوتوں کا احتجاج جو وہ کسی مجبوری یا سیاسی ضرورت کی بنا کر آزادی

پسندوں کے ساتھ مل کر کرتے ہیں وہ محض صلح پسند لفاظی پر مبنی ہوتا ہے وہ Status Que کی حمایت کرتی ہیں پرامن طریقے سے استعصو اب رائے کی تجویز دیتی ہیں یا مذہبی عقائد کے نیچے پناہ لیکر صورتحال کو زیادہ پیچیدہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں انقلابی تحریکوں سمیت تمام تحریکوں کی مخالفت کرتی ہیں عوام کو الجھانے اور تقسیم کرنے کے فریضے ادا کرتی ہیں، ظاہر ہے ایسی جماعتیں خواہ وہ مذہبی ہوں یا روایتی بنیادی طور پر غلط کرتی ہیں ان کا آزادی اور حق خودارادیت چاہنے والوں سے کوئی میل اور جوڑ نہیں، اور جب کبھی بھی ان کو موقع ملے تو یہ انقلابی قوتوں پر حملے سے گریز بھی نہیں کرتی کشمیریوں کے حق خودارادیت کے سامنے یہ سوال بڑی اہمیت کے ساتھ کھڑا ہے۔

14 اکتوبر 2008 کی قراردادیں:۔

14 اکتوبر 2008 کو حق خودارایت منائے جانے والے دن کو منظور ہونے والی قراردادیں جن کے ذریعے عالمی برادری سے اپیلیں اور مطالبات کیے گئے کہ پاکستان اور ہندوستان کو مجبور کیا جائے کہ کشمیریوں کو حق خودارادیت دیں۔

بظاہر ان قراردادوں سے متفق ہی ہوا جاسکتا ہے عمومی طور پر یہ سب درست قراردادیں ہیں لیکن ان میں اس طرح کا احساس ضرور موجود ہے جن سے یہ تاثر ملتا ہے کہ قابض ملکوں میں ایک ملک مکمل قابض ہے اور دوسرا قابض ملک کی طرح ہے۔

قرارداد نمبر 4 میں کشمیر کی آئینی حیثیت کو تصفیہ طلب کہا گیا ہے جب پاکستان اور ہندوستان دونوں ملکوں کے مشترکہ یا انفرادی آئین کا کشمیر کی تاریخ میں حصہ ہی نہیں رہا تو پھر آئینی حیثیت کو تصفیہ طلب کی بجائے ان ملکوں کے قبضے کو مسترد کرنا زیادہ ضروری اور مناسب ہے۔

قرارداد نمبر 6 میں جو اپیل کی گئی ہے اس میں دنیا بھر کے محنت کش عوام سے اپیل نہیں کی گئی بلکہ موجودہ سرمایہ داری کے حاکموں سے اپیل کی گئی ہے عالمی برادری سے مراد چند بڑے سرمایہ دار ملکوں کے حکمران ہیں ان ملکوں کے عوام زیادہ موثر انداز میں ہماری حق خودارادیت کے

لیے آواز بلند کر سکتے ہیں۔

قرارداد نمبر 7 میں ریاست کو مذہبی اور جغرافیائی طور پر تقسیم کرنے کی مذمت کی گئی لیکن اس میں نشاندہی نہیں کی گئی کہ کون اس میں ملوث ہے اس قرارداد میں ان قوتوں خواہ وہ پاکستانی ہیں یا ہندوستانی ان کی نشاندہی کرنا اس لئے اہم ہے تا کہ کشمیری عوام مستقبل میں ان پر نظر رکھ سکیں۔

قرارداد نمبر 10 میں انسانی حقوق کی پامالی اور فوج پولیس کے مظالم کی مذمت کی گئی ہے جو بنیادی طور پر درست ہے لیکن جب کشمیریوں کے حق آزادی کو ہی سلب کیا گیا ہے تو پھر صرف انسانی حقوق کی بات بجائے حق آزادی کے لئے لڑنے والوں (اگر کوئی کسی دوسرے ملک کے لیے لڑ رہا ہو) کے ساتھ ظلم اور زیادتی زیادہ جاندار آواز ہے۔

قرارداد نمبر 11 کشمیری عوام دوہری دہشتگردی کا شکار ہیں ایک طرف ہندوستانی ریاست کی دہشتگردی ہے اور دوسری طرف مذہبی انتہا پسندی کا دہشت گردانہ عمل ہے جن کے بارے میں مجموعی طور پر پاکستانی خفیہ اداروں کا ہاتھ سمجھا جاتا ہے دونوں طرح کی دہشتگردی کی مذمت کرنا حق خودارادیت کے مطالبے کے زیادہ قریب ہے۔

اس ساری مہم میں کشمیر میں بسنے والی غیر مسلم آبادیوں کے ساتھ کسی بھی طرح کی یکجہتی کا اظہار نہیں کیا گیا اور نہ ہی ان کے ساتھ ہونے والی کسی زیادتی کی مذمت کی گئی جس سے مقامی قومی اور بین الاقوامی سطح پر اس ساری مہم کو مسلمانوں کا غیر مسلموں کو تنبیہ کا پیغام بھی محسوس ہوا۔

دوسرا شرائن بورڈ کے مسئلے پر جو مذہبی دوریاں پیدا ہوئیں ہیں دو مختلف مذاہب کے لوگوں نے ایک خطہ زمین پر رہنے کے باوجود سوچنے کے انداز بدلنے کے اشارے دیئے ہیں یہ ساری مہم ان دوریوں کو کم کرنے میں مفید محسوس نہیں ہوئی اور غیر مسلموں کا حق خودارادیت کی اس مہم سے دور رہنا یہ تاثر دے رہا ہے کہ کسی ایک مذہب کو ماننے والوں کی تحریک ہے نہ کہ ایک قوم کی آزادی کی تحریک کشمیر کہ محنت کش عوام کے نام پر بھی اپیل جاری کرنے کی ضرورت تھی کہ وہ ایک حقیقی

اور سچی آزادی کے لئے نکلیں نہ کے ادھوری اور فرقہ وارانہ آزادی کے لئے چونکہ عوام ہی واحد طاقت ہیں جن کو کوئی ختم نہیں کر سکتا۔

خان صاحب

یہ تھیں وہ گزارشات میں نے پوری کوشش کی ہے کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو اگر کہیں ایسا محسوس ہو تو یہ تاریخی حقائق کے مدِ نظر رکھ کر کہا گیا ہے کسی کو انفرادی طور پر تکلیف دینے کے لئے نہیں۔

اک ذرا صبر کے بیداد کے دن تھوڑے ہیں۔

حبیب الرحمٰن

مرکزی ترجمان جموں کشمیر پیپلز نیشنل پارٹی

01-11-2008